ISSN 2320-8600

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر 2017

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ • پھلواری شریف پٹنہ

عالم اسلام کو یوم ولادت نبوی ﷺ کے پر سعید موقع پر تبریک و تہنیت پیش ہے۔

سایۂ زلفت کہ دارد بر سرِ خود نصرتو
تا ابد ماند دریں ظل حمایت یا رسول ﷺ

مدیر

ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

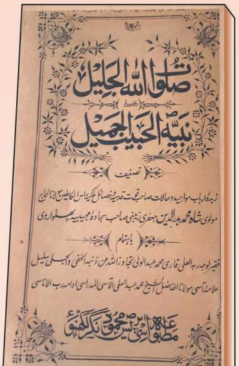
صلوٰۃ اللہ الجلیل
نبیہ الحبیب الجمیل

حضرت اقدس فیاض المسلمین
مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری قدس سرہٗ کی تالیف مبارکہ

صَلَوَاتُ اللّٰہِ الْجَلِیْلِ
عَلٰی نَبِیِّہِ الْحَبِیْبِ الْجَمِیْلِ

جس کی اولین طباعت

حضرت مصنف قدس سرہٗ کی حیات مبارکہ میں ۱۳۲۲ھ میں ہوئی

جس کے مرتب

حضرت حکیم شاہ محمد شعیب نیر پھلواروی ؒ تھے

اس تالیف میں وہ اسمائے طیبہ مستعمل ہیں

جو اللہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان مشترک ہیں

الحمدللہ! درودوں کا یہ نایاب ومنفرد تحفہ

جناب حضور حضرت الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی

کے سلیس اردو ترجمہ وتشریح کے ساتھ

بہت جلد دارالاشاعت سے چھپ کر منظر عام پر آ رہی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل حق کا ترجمان اور امن وسلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی وادبی مجلہ

ماہ : محرم الحرام — ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

ماہ : اکتوبر — دسمبر ۲۰۱۷ء

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

جلد نمبر ۵۷ ✦ شمارہ نمبر ۴

زر تعاون

فی شمارہ	:	-/40 روپے
سالانہ	:	-/150 روپے
سادہ ڈاک	:	-/200 روپے
رجسٹری ڈاک	:	-/370 روپے
پاکستان و بنگلہ دیش	:	-/500 روپے
دیگر ممالک	:	-/25$ امریکی ڈالر

مجلس ادارت

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

مولانا خواجہ عبد الباری

سرکولیشن منیجر : محمد مقصود عالم مجیبی

مراسلت وترسیل زر کا پتہ

ایڈیٹر

رابطہ : +91-9006306098

المجیب دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

فون نمبر : E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, (0612) 2555572, Telefax : 2555305

فہرست مضامین

• **لمعات**	ظفر حسنین	۳

مضامین ومقالات

• اخلاق حمیدہ یا خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت اقدس سیدنا الامام فیاض المسلمین قدس سرہٗ	۶
• تاریخ موئے مبارک خانقاہ تاج العارفین	ماخوذ از سیرت پیر مجیب	۳۲
• جوامع الکلم	حضرت مولانا شاہ عزالدین قادری پھلواروی ؒ	۴۶
• عید میلاد النبی ﷺ کتاب وسنت اور علمائے	جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی	۵۳
• عہد فاروقی کا ملکی نظام	ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی	۶۹
• حُسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری	سید محمد نیر رضوی	۸۰
• عظمت سرور کائنات ﷺ اور دشمن وکفار وغرباء......	محمد آزاد حسین	۹۳
• عشق ومحبت صوفیا کی نظر میں	ڈاکٹر محمد محسن	۱۰۲

ادبیات

• حمد پاک	وارث ریاضی	۱۰۷
• نعت شریف	امان خاں دل	۱۰۸
• نعت پاک	شکیل سہسرامی	۱۰۹
• **کوائف وحالات**	ادارہ	۱۱۰

لمعات

• ظفر حسنین

۶؍دسمبر ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد شہید کردی گئی ــــ اس المیہ کو تقریباً ۲۵؍سال کا عرصہ گزر گیا۔ یہ نہ صرف ایک دردناک اور المناک واقعہ تھا بلکہ ملک کے چہرے پر ایسا بدنما دھبہ ــــ جس کی کراہیت دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ ہر آنے والے دنوں کے ساتھ یہ سیاہ دھبہ اور بھی گہرا ہورہا ہے ــــ مجرموں اور سازش کرنے والوں نے یہ سمجھا تھا کہ یہ ایک ڈھانچہ ہے اور اسے ''ایک دھکا اور'' دے کر تاریخ سے مٹا دیا جائے گا ــــ لیکن ایسا نہ ہوسکا ــــ مسجد شہید ضرور ہوگئی لیکن ایک ہڈی بن کر ہندوستانی عوام کے گلے میں اٹک گئی۔ اس کی شہادت پر جہاں ایمان والے خون کے آنسو روئے وہیں مجرم اور سازشی گلے کی اس ہڈی کو لے کر سخت پریشان ہیں ــــ ان کی سانس رک رہی ہے۔ وہ اسے نگل نہیں سکتے کیونکہ اسے ہضم کرنا ان کے بس کا نہیں اور اگل دینے سے ان کا مکروہ چہرہ سب کے سامنے آجائے گا۔

مسجد کی شہادت کے بعد جو تاریخ لکھی گئی وہ بڑی خونی اور عجیب ہے۔ مسلمانوں نے اس روح فرسا واقعہ پر رنج و غم کا اظہار تو کیا لیکن بہت ہی صبر و استقامت کے ساتھ، لیکن دشمنوں کو ان کا یہ صبر بھی برداشت نہ ہوا اور وہ ان پر خونی بھیڑیے کی طرح ٹوٹ پڑے، پورے ملک میں پُرتشدد فرقہ وارانہ فسادات ہوئے جن میں ہزاروں مسلمان شہید ہوگئے یہ اس خونی تاریخ کا پہلا باب تھا۔

دوسرے باب میں وہ طویل قانونی لڑائی ہے جو مسلمانان ہند اپنے جائز حق کے لئے گزشتہ ۲۵؍سالوں سے لڑ رہے ہیں مختلف نشیب و فراز اور مختلف واقعات سے بھرپور یہ باب بھی ناقابل فراموش ہے۔ بابری ایکشن کمیٹی بنی، کئی اور مسلم تنظیموں اور مسلم رہنماؤں نے بھی اس قانونی لڑائی میں حصہ لیا ــــ ان میں کئی ابھی بقید حیات ہیں اور اپنی لڑائی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جبکہ خود اصل مدعی محمد ہاشم وفات پاچکے ہیں۔ اس درمیان ہائی کورٹ کا فیصلہ بھی آیا اور اجودھیا میں مسجد کی اصل زمین کو دوسرے حصے سے ملا کر اس کی تین حصے میں تقسیم کردی گئی۔ ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے یکسر مسترد کردیا گویا بات جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں رہ گئی ــــ اس درمیان مصالحت کی بھی کئی کوششیں ہوئیں لیکن سب ناکام رہیں۔ آثار قدیمہ والوں نے

ہائی کورٹ کی ہدایت پر متنازعہ زمین بھی کھود ڈالی کسی مندر کی تلاش میں ـــــ لیکن وہاں پر کسی مندر کا کوئی نشان نہیں ملا۔

اس کا تیسرا باب اس وقت شروع ہوا جب یہ معاملہ سپریم کورٹ پہنچا۔ سپریم کورٹ ملک کی اعلیٰ ترین عدالت ہے جس کے بعد روئے زمین پر اپیل کی کوئی گنجائش نہیں۔ طویل عرصہ تک سپریم کورٹ میں زیر التوا رہنے کے بعد مسجد کو شہید کردینے کی تاریخ ۶؍دسمبر سے ایک دن پہلے یعنی ۵؍دسمبر سے سپریم کورٹ میں سنوائی شروع ہورہی ہے جو روزانہ کی بنیاد پر جاری رہے گی۔ بابری مسجد کے مسئلے پر مسلمانان ہند کا موقف شروع سے صرف یہ رہا ہے کہ یہاں پر ۱۵۲۸ء سے مسجد تھی ـــــ وہاں پابندی سے نمازیں ہوتی تھیں جسے شرپسندوں اور حکومت نے مل کر پہلے مقفل کیا پھر اس پر قبضہ کرکے اسے شہید کردیا۔ اب وہ زمین جہاں مسجد تھی ہمیشہ رہے گی اور مسجد ہی کی رہے گی اسے نہ ہٹایا جاسکتا ہے نہ رد و بدل کیا جاسکتا ہے، نہ کوئی طاقت اسے خرید وفروخت کرسکتی ہے۔ مسئلہ بالکل صاف ہے اور یہ قانونی جنگ اس نکتہ پر آکر ٹھہر گئی ہے کہ جہاں مسجد تھی اس زمین کی ملکیت کس کی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں نے ملک کی اعلیٰ ترین عدلیہ پر پورا بھروسہ کیا ہے اور بہت سارے ناخوشگوار واقعات کے باوجود اپنے اس اعتماد اور مستحکم ارادے کو متزلزل نہیں ہونے دیا ہے۔ ان کے پاس زمین کی ملکیت کا ناقابل تردید ثبوت ہے اور وہ عدلیہ پر بھروسہ کررہے ہیں۔ عدالت عظمیٰ میں مسلمانوں کی نمائندگی ان کی سب سے بڑی نمائندہ تنظیم مسلم پرسنل لاء بورڈ کررہی ہے جس پر ملک کے مسلمانوں کے تمام طبقات کو مکمل اعتماد ہے۔

اس دوران یوپی شیعہ وقف بورڈ کے صدر نے حکومت کے اشارے پر اس معاملے میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میر باقر شیعہ تھے انہوں نے بابر کے حکم پر یہ مسجد بنائی تھی اس لئے اس پر ہمارا حق ہے اور اب ہم لوگ اسے برادران وطن کو ہدیہ کررہے ہیں۔ ملک کے تمام شیعہ حضرات نے اپنے فرقے کے کچھ شرپسند شیعوں کے اس قدم کی سخت مخالفت کی ہے اور ملک کے تمام مسلمانوں کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ساتھ متحد بتایا ہے۔ کچھ دوسری چھوٹی تنظیموں نے بھی مصالحت کے ذریعہ اس مسئلے کو حل کرنے کی تجویز رکھی جسے یکسر مسترد کردیا گیا ہے۔ ایک طرف مسلمانوں کی دلیل ہے کہ تمام ثبوتوں کی بنیاد پر یہ زمین مسلمانوں کی ہے دوسری طرف برادران وطن کا معاملہ ہے جو بغیر کسی ثبوت کے محض آستھا (اعتقاد) کی بنیاد پر اسے رام مندر کی زمین بتارہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اب یہ صرف قانونی لڑائی ہے اور قانون ہی اس کا فیصلہ کرے گا۔

اب اس خونی اور تاریخی واقعہ کا چوتھا اور آخری باب شروع ہورہا ہے۔ عدالت عظمیٰ ۵؍دسمبر سے اس پر روزانہ کی بنیاد پر سنوائی شروع کررہی ہے۔ اُمید قوی ہے کہ فیصلہ جلد ہی آجائے گا۔ مسلمانوں نے ثبوتوں کی بنیاد پر زمین کی ملکیت کے لئے لڑائی شروع کی ہے اور برادران وطن آستھا کی بنیاد پر لڑرہے ہیں ـــــ اب عدالت فیصلہ کرے گی کہ کون فریق صحیح ہے اور کون غلط۔ امید کی جاتی ہے اپنے سابقہ روایتوں کے مطابق عدالت عظمیٰ صرف ثبوتوں کی بنیاد پر فیصلہ کرے گی ہائی کورٹ کی طرح پنچایتی نہیں۔

ہم تمام ہندوستانیوں سے خاص کر مسلمانوں سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ عدالت عظمیٰ کے فیصلے کا دل سے احترام کرتے ہوئے اسے قبول کریں گے اور ملک میں ہر طرح امن و امان قائم رکھیں گے۔۔۔ اگر فیصلہ مسلمانوں کے حق میں آتا ہے تو اسے حق کی فتح سمجھیں گے اور ملک کے آئین و عدالت پر ان کا اعتماد اور بھی مستحکم ہوگا۔۔۔ اگر خدانخواستہ فیصلہ ان کے حق میں نہ ہوا تو ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ ملک کی سب سے اعلیٰ عدالت متنازعہ زمین کو مسلمانوں کی ملکیت نہیں سمجھتی اس لئے غیروں کی زمین پر مسجد کا بننا از روئے شرع غلط ہے۔ اس لئے مسلمان خود بخود اس سے دست بردار ہو جائیں گے۔ دوسری کوئی شکل اس کے حل کی نہیں ہے۔ اگر زمین جائز ہے تو اس پر مسجد جائز ہے اور تا قیامت وہ مسجد کی زمین رہے گی اور اس کے لئے کوئی سمجھوتہ کوئی لین دین اور کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی۔

* * * * * * * * * * * * * * *

ماہ ربیع الاول کی ۱۲؍ تاریخ محسن انسانیت، فخر دو عالم، سرورِ کائنات حضور پُرنور حضرت محمد مصطفےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش ہے۔

دنیا کے تمام قابل ذکر مذاہب کے لوگ اپنے نبی اور پیشوا کا یوم ولادت دھوم دھام سے مناتے ہیں اور اسے ایک جشن کے طور پر لیتے ہیں۔ ہمارے آقا، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ساری انسانیت کے لئے اور ہمیشہ کے لئے مبعوث کئے گئے وہ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ صرف ان کی چھوڑی ہوئی اللہ کی کتاب قرآن مجید اور ان کی احادیث نبویہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہ صرف اہل ایمان کے لئے بلکہ ساری انسانیت کے لئے راہ ہدایت ہے۔ آج کی اس پریشان، بھٹکتی اور در در کی ٹھوکریں کھاتی دنیا کے لئے اگر کوئی نجات کا راستہ ہے تو بلاشبہ یہی قرآن اور احادیث نبوی ہیں۔

اس لئے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم پیدائش کو تمام دنوں میں سب سے زیادہ مقدم اور مقدس مانتے ہوئے اسے پُر وقار اور عقیدت سے بھرے ماحول میں منانے کے حامی ہیں۔ اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ محسن انسانیت کے یوم ولادت کو ساری دنیا کے لئے "یوم امن و امان" بنانے میں مددگار بنیں۔۔۔ کہ یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی عقیدت اور محبت کا اظہار ہوگا۔

یہ بات باعث مسرت ہے کہ مسلک کے اختلاف کی وجہ سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ اور سعودی عربیہ میں یہ دن کسی اہمیت کا حامل نہیں سمجھا جاتا تھا اور نہ اس کی عظمت و حرمت کا خیال رکھا جاتا تھا۔۔۔ لیکن بغیر کسی کوشش اور بغیر کسی تنازع کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ہے کہ اس ملک کے ماننے والوں نے بھی آج یہ تسلیم کر لیا ہے کہ یہ مبارک دن ساری انسانیت کے لئے محترم و مقدم ہے اس لئے اسے پورے جوش و خروش اور عقیدت و احترام کے ساتھ پورے ملک میں منایا جائے گا۔ یہ ایک مستحسن قدم ہے اور ہم اس کی بجا طور پر حمایت کرتے ہیں۔

* * * * * * * * * * * * * * *

اخلاق حمیدہ یا خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

از افادات حضرت اقدس سیدنا الامام فیاض المسلمین بدر الکاملین امیر الشریعہ شیخ الطریقہ
مولانا سید شاہ محمد بدر الدین قادری قدس سرہ

ہمارے پیغمبر حضرت سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے اخلاق تمام تر محمود تھے۔ آپ ﷺ کے اسم شریف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معنی بھی یہی ہیں۔ یعنی ستودہ (توصیف کئے گئے یا حمد کئے گئے) لغات عرب کتاب منتہی الارب میں ہے:

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واشتقاقہ من کثرۃ الحمد کانہ حمد مرۃ بعد مرۃ۔

ترجمہ: محمد نام حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس نام کا اشتقاق زیادتی حمد سے ہے۔ گویا کہ وہ صفت کئے گئے ہیں بہت بار۔

تاج العروس شرح قاموس میں ہے:

(ومنہ) ای من التحمید (محمد) ھذا الاسم الشریف الواقع علماً علیہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو اعظم اسمائہ واشھرھا (کانہ حمد مرۃ بعد مرۃ)۔

ترجمہ: تحمید ہی سے واقع ہے محمد اسم شریف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ طور علم کے اور معظم ترین و مشہور ترین نام آپ کا یہی ہے۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم توصیف کئے گئے ہیں مکرر سہ کرر بہت بار۔

یعنی یہ اسم پاک حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کا اسم مفعول ہے۔ جس سے یہ مطلب ہے کہ شخص محمود کی مدح، محبت، بزرگی، قدر، ادب، عظمت بہت زیادہ کی گئی ہو۔ اس لیے کہ یہ صیغہ تکثیر کے لیے بنایا گیا ہے۔ یعنی یہ فعل تحمید واجلال و تعظیم و توقیر کا اس کے لیے بہت بار کیا گیا ہو۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ اس قسم کا عَلَم نہیں ہے جس کے لیے معنی کی ضرورت نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشہور ترین نام آپ کا عَلَم بھی اور آپ کی صفت بھی ہے۔ باقی دوسروں کے لیے بھی نام مجرد عَلَم ہی عَلَم ہے، صفت نہیں۔ قریب میں اس تمیز و فرق کا بیان واضح طور سے آئے گا۔ ان شاء اللہ۔ یہ اسم مبارک آپ کے کل اسمائے شریفہ

یں مشہورترین ہونے کےعلاوہ محبوب ترین بھی ہے۔درود کے ماثورہ صیغوں میں اکثر یہی اسم مبارک ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوخودبھی یہی نام سب ناموں سے محبوب تر تھا کہ جتنے اصحاب نے درود کی تعلیم کے لیے سوال کیا تو جواب میں ہرایک کے جوارشاد ہوااس کی ابتدا یہی تھی۔ اللهم صل على محمد و على اٰل محمد اگرچہ دوسرانام آپ کا احمد بھی تھالیکن ماثورہ درودوں میں سےکسی میں اللهم صل على احمد نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت صفات حمیدہ کے سبب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے شریفہ بہت ہیں۔اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہیں اوران کے سوا بھی بہت ہیں۔جن میں سے ہر ایک اس کی صفت خاص پر دلالت کرتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس علم کے علاوہ بہت اسمائے گرامی ہیں۔جوکہ خاص خاص صفت پر دلالت کرتے ہیں۔اور انہیں صفات خاص کے سبب سے ان ناموں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم موسوم اور مشہور ہوئے ہیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایک مقام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت رؤف و رحیم فرمایا ہے: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ پھرایک ہی مقام میں شاہد،مبشر،نذیر، داعی الی اللہ،سراج منیر:يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ اورکہیں رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ کہیں خاتم النبیین مثل ذلک بہت اسمائے شریفہ آپ کے قرآن مجید میں مذکور ہیں۔کتاب جواہرزواہر فی اسماء النبی الطاہر میں مولوی محمد اکرم صاحب نے دوسو سے زیادہ نام قرآن مجید سے مع سندآیات کے درج کیا ہے۔اسی طرح احادیث سے بھی بہت اسمائے شریفہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت ہوتے ہیں،محمد،احمد،حاشر،عاقب،ماحی،یہ پانچ نام امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک ہی حدیث میں نقل کیا ہے :

باب ما جاء فی اسماء رسول الله صلی الله علیه وسلم عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لی خمسة اسماء انا محمد و احمد و انا الماحی الذی یمحوالله بی الکفر و انا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی و انا العاقب۔

ترجمہ : محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے پانچ نام ہیں: میں محمد ہوں اوراحمد ہوں،اورماحی ہوں،میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹادے گا،اورمیں حاشرہوں۔

جس طرح ماحی اور حاشر کی توجیہ اس حدیث سے ظاہر ہوئی۔اسی طرح ہرایک اسم شریف کی توجیہ ہے۔دوسرے لوگوں کی روایت میں ہے :

انا العاقب الذی لیس بعده نبی۔

ترجمہ : میں عاقب ہوں یعنی بعد میں آنے والا،جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

غرض یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اوروہ بھی جو اس کے سوا ہیں، اللہ تعالیٰ کی کثرت صفات پر دلالت کرتے ہیں۔جوکثیر درکثیر ہیں۔محدثین متقدمین میں سےکسی نے ایک سو،کسی نے دوسوایک،کسی نے پانچ سو تک

اسمائے شریفہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھے ہیں ۔اس زمانہ میں فاضل علامہ یوسف نبھانی نے (جزاہ اللہ تعالیٰ خیرا) احسن الوسائل فی اسماء النبی الکامل میں آٹھ سوبیس سے زیادہ لکھے ہیں ۔مجھے اپنے زمانہ کے علامہ فاضل محدث مولوی محمد اکرم صاحب (جعله الله تعالیٰ اکرم هذا الزمان) پر فخر ہے کہ انھوں نے پندرہ سو کے قریب اسمائے شریفہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی کتاب جواہر زواہر میں جمع کئے ہیں ۔اور ہر ایک کا ماخذ بھی لکھ دیا ہے ۔ (جزاه الله تعالیٰ عنا خیر الجزاء)

اس بیان سے میرا مقصود یہ ہے کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام تر اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ ہی تھے ۔جس سبب سے اس قدر کثیر اسمائے شریفہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور ومعروف ہوئے ۔کتابوں میں یہ اسماء شرح وبسط سے لکھے گئے ۔زبانوں پر بولے گئے ۔مختصر یہ کہ کون سی نیکی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھی ۔

خوبی وشکل وشمائل حرکات وسکنات ۞ آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

ازکدامی وصف گویم دلبرا جانانہ ۞ کیست درعالم کہ تو درحسن زان بالانہ

ان سبھوں سے بڑھ کر یہ کہ باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی بہت اسماء کو محدثین ومحققین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے شریفہ میں داخل وشامل کیا ہے ۔قاضی عیاض رحمہ اللہ شفا میں فی تشریف الله تعالیٰ له صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بما سماه به من اسمائه الحسنی میں لکھتے ہیں :

وحررنا منها فی هذا الفصل نحو ثلثین اسماء

ترجمہ : اور ہم نے اس فصل میں تیس نام لکھے ہیں ۔

بعد اس کے یہ بھی لکھتے ہیں کہ شاید بعد اس کے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ علم دے، الہام فرمائے، اس پر زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ اس تعداد پر لوگوں نے دوگونہ بڑھا دیا ہے ۔مواہب میں علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے اسمائے حسنیٰ میں سے ستر کے قریب کلام اللہ اور احادیث وآثار سے ثابت کیا ہے، تو زرقانی کی شرح میں ستتر ۷۷ تک پہنچ جاتا ہے ۔جواہر زواہر علامہ مولوی محمد اکرم صاحب میں بھی ایسا ہی ہے، لیکن علامہ یوسف نبھانی اکیاسی ۸۱ اسما تک بڑھا دیتے ہیں ۔ ولعل الله یزید بعد ذالك ایضا ۔

اس طرح ان اسمائے شریفہ کا بڑھتے رہنا تعجب کی بات نہیں ۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک مظہر اتم صفات باری تعالیٰ ہے ۔تو باستثناء ان اسمائے پاک حق تعالیٰ کے جو ذات پاک الوہیت کے لیے مخصوص ہیں ۔کسی مخلوق کو ان مخصوص نام سے موسوم کرنا کفر ہے ۔ باقی کل اسمائے حسنیٰ سے آپ ملقب وموصوف ہو سکتے ہیں ۔حضرت جامی رحمہ اللہ کے قصیدہ کا یہ شعر کیا اچھا ہے :

سلام علیک ای ز اسماءِ حسنیٰ ۞ جمال تو آئینۂ اسم اعظم

انہیں کا ایک شعر یہ بھی ہے :

اے آفتاب روئے تو عکس فروغ ذات ۞ ظاہر ز زلف و خال وخطت کثرت صفات

پس اہل لغت وعلماء کا یہ قول کہ اسم پاک محمد (صلی اللہ علی مسماہ) کا اشتقاق کثرت حمد سے ہے۔ اور یہ اسم تکثیر حمد کے لیے بنایا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت اوصاف حمیدہ پر نظر کر کے بہت صحیح ہے۔ یا یوں کہیے کہ واقع بھی یہی ہوا کہ دونوں ہی عالم میں آپ اس قدر زیادہ محمود پائے گئے کہ ایسا دوسرا کوئی آدمی نہ دیکھا، نہ سنا گیا۔

دوسرا مشہور ترین نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احمد ہے، یہ بھی اسی حمد سے مشتق اور افعل التفضیل ہے۔ علماء نے احمد کے دو معنی لکھے ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے والوں میں سب سے زیادہ، سب سے عمدہ تر و اعلیٰ و افضل حمد کرنے والے آپ ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حامدین حق تعالیٰ میں سے دنیا و آخرت دونوں میں آپ احمد الحامدین ہیں اور محمود ترین یا یوں کہیے کہ احمد المحمودین دنیاوی زندگی میں جتنے کثیر عنوان میں بلیغ ترین عبارات میں نئے نئے پیرایہ میں حق تعالیٰ کی تحمید وتمجید کرنے کا آپ کے حال احادیث میں مرقوم ہے۔ اور ان سب حمد کی عبارات کتابوں میں محفوظ ہیں۔ اہل خبر سے پوشیدہ نہیں کہ وہ کثیر در کثیر ہیں۔ اور عالم آخرت کی نسبت ایک حدیث شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت وقہر کا ظہور دیکھ کر آپ ایک طویل سجدہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ایسے عمدہ کلمات میں کریں گے کہ نہ آپ کو دنیاوی زندگی میں کبھی ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کا اتفاق ہوا تھا اور نہ اولین وآخرین مخلوق میں سے کسی کی زبان پر کبھی بھی ایسی ثنا گزری۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی مقبولیت ایسی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ (جس کی صفت ہے: وسعت رحمتی علی غضبی) کا دریا موجزن ہوگا اور آپ کو شفاعت عاصیاں کا اذن ہوگا۔ سل تعط واشفع تشفع (مانگئے دیا جائے گا، شفاعت کیجئے شفاعت قبول کی جائے گی) حاصل غرض یہ کہ ایک معنی احمد کے افعل التفضیل کے ہوئے فاعل کے مبالغہ میں۔ دوسرے معنی یہ ہوئے کہ جس مدح وثنا و اجلال وتعظیم کے آپ مستحق ہیں، وہ افضل و اعلیٰ و اشرف ہے، ان سب توصیفوں سے کہ آپ کے سوا دوسرے اس کے مستحق ہو سکتے ہیں، اس طرح اسم احمد کا دوسرا معنی وہی ہے، جو اسم محمد کا معنی اوپر لکھا جاچکا ہے، یعنی حمد کے، مفعول کے معنی میں تکثیر حمد کے ساتھ، اس کا خلاصہ یوں ہے :

اکثر الناس حمدا فھو اجل مَن حَمِدَ وافضل مَن حُمِدَ یا من جعلہ حامدا او محمودا وسماہ باحمد ومحمد صل وسلم وبارك علیہ وعلیٰ اٰلہ قدر حسنہ وجمالہ وفضلہ وکمالہ۔

انبیائے سابقین علیہم السلام کی الہامی کتابوں میں جس جگہ آپ کی نسبت پیشین گوئی مذکور رہے تو منجملہ آپ کے بہت سے ناموں اور اوصاف کے کسی میں احمد (۱) اور کسی میں محمد (۲) ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان انبیائے سابقین علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھی۔ اس لیے یہ کہنا بلا شبہ صحیح ہے کہ خلاق عالم کا ازل ہی میں ارادہ تھا کہ

آپ کو تمام تر ستودہ صفات یا کہو کہ سراسر محمد (اللھم صل وسلم وبارك علیه) بنائے۔ اسی لیے ان دونوں ناموں سے موسوم کیا اور ازل ہی میں موسوم کیا۔ ازل میں موسوم کرنے کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور انبیائے سابقین علیہم السلام کی الہامی کتابوں میں بھی یہ نام خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں بھی۔

اللہ تعالیٰ اپنے اس کلام ازلی قدیم میں (جس کا نام قرآن مجید ہے، جو مسلمانوں کے زبان پر جاری، سینوں میں محفوظ، گھروں میں موجود بھی ہے اور فی لوح محفوظ بھی ہے) فرماتا ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ الاٰیة اور بہ طور حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی کے ذکر میں ان کا تعلیم کرنا اپنی قوم کو فرماتا ہے:

یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ الآیة

ترجمہ: میرے بعد وہ آئے گا جس کا نام احمد ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کے بھی پہلے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گرامی نام سے موسوم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے ملقب ہو چکے تھے۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا وجود بھی نہ تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نام گرامی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور آپ کو نبوت و رسالت عطا کرنے کا ارادہ ازلی ہو چکا تھا، جیسا کہ اس حدیث شریف میں ہے:

کنت نبیا و اٰدم بین الماء والطین۔

ترجمہ: میں نبی تھا اس وقت جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وصفت سابقہ کتب سماوی میں دیکھ کر اس نعمت عظیمہ کے حصول کی طمع وتمنا میں عرب کے کچھ لوگوں نے اپنے اپنے لڑکوں کا نام محمد رکھ دیا تھا۔ یہ زمانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تھوڑا پہلے کا ہے، لیکن ان سبھوں کو بہت جلد معلوم ہوگیا:

این کرامت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہمارے نام رکھ دینے سے اس مبارک نام کے معنی بھی صادق ہو جائیں ضرور نہیں۔ یہ کام خالق ہی کا ہے، وہ جس کو چاہے محمود الاسم ہونے کے ساتھ محمود الصفات بھی بنا دے۔ اس نوازش سے جس کو چاہے نوازے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ (سورۃ الانعام، ع:۱۵)

ترجمہ: اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ عہدۂ رسالت کی قابلیت کس میں ہے، وہ کس کے پاس کہاں بھیجے۔

وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ (سورۃ البقرۃ، ع:۱۳)

ترجمہ : اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے۔

ان کی سمجھ میں آ گیا کہ ہمارا نام رکھ دینا محض علم ہی علم ہے۔اس عَلم کے ساتھ جو اس صفت سے موصوف بھی ہوں گے، ان کا یہ نام ان کے صفات پسندیدہ پر شاہد عادل ہوگا۔مثل اہل کتاب کے ہمیں بھی ان کا انتظار کرنا چاہیے۔وہ کسی زمانہ مستقبل میں ہونے والے ہیں جو لوگ بامید حصول نبوت اس گرامی نام سے موسوم کئے گئے تھے۔اس نام کی برکت سے صداقت کی یہ صفت تو ان سبھوں میں ضرور پائی گئی کہ ان میں سے کسی نے دعوائے نبوت نہ کیا اور جھوٹے ثابت نہ ہوئے۔اس کو اللہ کی طرف سے حفاظت کہیے یا اس نام پاک کی برکت سمجھیے۔اور ہمارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بعد تبرکاً اس مبارک اسم گرامی سے موسوم ہونے والوں کے لیے دنیاوی و اُخروی بہت برکات ہیں۔جن میں سے بعض یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق بن حضرت امام محمد باقر علیہما السلام اپنے والد ماجد سے روایت فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن منادی ندا کرے گا کہ جس جس شخص کا نام محمد ہے وہ جنت میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔(تمہارا اس طرح جنت میں جانا نہیں ہے، مگر اس نام کی بزرگی کے سبب سے) ابن قاسم اور ابن وہب نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ میں نے اہل مکہ مکرمہ (زادھا اللہ تعالیٰ فضلا و کرامۃ) کو یہ کہتے سنا ہے کہ ایسا کوئی گھر نہیں کہ اس میں محمد نام کا کوئی شخص ہو اور (اس نام کی برکت سے) وہ گھر بڑھے نہیں اور اس گھر کے لوگ اور اس کے ہمسایہ بھی روزی پاتے ہیں (یعنی اسی نام کی برکت سے) اور روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کا (اس میں) کیا نقصان ہے کہ اس کے گھر ایک شخص محمد نام کا ہو، دو ہو، تین ہو، یعنی ہر گھر کے اندر کچھ لڑکوں کو اس نام سے موسوم کرنے کو ارشاد فرمایا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ظاہر ہونے کے پہلے اہل عرب خصوصاً قریش کے لوگوں کو برابر ساتھ رہنے اور ہر قسم کے باہمی معاملات پیش آتے رہنے کے سبب سے آپ کی عادات شریفہ واخلاق حسنہ کا علم کامل طرح پر ہو چکا تھا۔اپنے بارہا کے تجربہ میں وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راست گفتار، صداقت شعار، پاکیزہ، امانت و دیانت میں کمال درجہ کے متدین دیکھ چکے اور پا چکے تھے۔اس لیے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الصادق الامین کے معز زلقب سے یاد کرتے تھے۔یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور امانت پر ساری قوم کا اتفاق واجماع نبوت کے پہلے ہی ہو چکا تھا۔اور یہ دونوں صفت صدق و امانت کی ایسی اعلیٰ ہے کہ سینکڑوں ہزاروں نیک صفات کی مصدرو منبع ہے۔اُن اخلاق حسنہ کی جمعیت کا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جامع کمالات میں ودیعت کی گئی تھی، یہ ادنیٰ کرشمہ تھا کہ صداقت جو نبوت کے لیے جزو اعظم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائے جوانی ہی سے مسلم ہو چکی تھی۔نبوت کے پہلے سے اس طرح آہستہ آہستہ ان کمالات کا ظاہر ہونا بھی ضرور تھا، تاکہ اس وقت کے اہل سعادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و ہدایت سے جلد اثر پذیر ہوں، اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی نسبت اہل ضلالت وشقاوت سے گفتگو کے وقت ان کی تکذیب کی زبان کو بند کر دیں۔

قریش (۳) میں خانہ کعبہ شریفہ کی نئے سرے سے تعمیر کے وقت حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے میں آپس کی نفسانیت کے سبب سے ٹولیاں بن گئیں اور ہر ٹولی نے اپنا استحقاق زیادہ بتایا۔ جب ایسا جھگڑا پڑا تو یہ قرار دیا گیا کہ جو شخص پہلے یہاں داخل ہو وہی فیصلہ کردے، اور سب قبول کرلیں، ان کی اس شرط کے موافق ناگہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو سب کے سب خوشی سے کہنے لگے هذا محمد هذا الامين قد رضينا به یعنی یہ محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ امین ہیں، ہم سب راضی ہوگئے ان پر کہ یہ جو فیصلہ کردیں وہ ہی ہو۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا عمدہ فیصلہ فرمایا کہ سب خوش ہوگئے۔

ربیع بن خیثم (۴) سے روایت ہے کہ اسلام کے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس محاکمہ کے لیے قریش یا عرب کے معاملے لائے جاتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ (۵) سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل نے کہا کہ میں آپ کو جھوٹا نہیں کہتا، لیکن جو چیز (توحید و قرآن) آپ لائے ہیں، اس کو جھوٹ جانتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۝۳۳ — (سورة الانعام)

ترجمہ : یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم آیات الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔ (۶)

روایت ہے کہ جنگ بدر کے دن اخنس بن شریق نے ابو جہل سے مل کر کہا کہ یہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں جو ہماری باتیں سن لے، مجھے اتنا بتادے : آیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے آدمی ہیں یا جھوٹے؟ تو ابو جہل نے جواب میں کہا :

والله ان محمدا ان الصادق و ما كذب محمد قط۔

ترجمہ : خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے آدمی ہیں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہرگز جھوٹ بولے ہی نہیں۔

(۷) ہرقل بادشاہ روم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جب ابوسفیان سے پوچھا کہ کیا تم کبھی ان کے جھوٹ بولنے کا وہم بھی رکھتے ہو؟ ان کے اپنی نبوت ظاہر کرنے کے پہلے، تو جواب میں کہا کہ نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق یہ شہادتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید مخالفوں اور اسلام کے بڑے بڑے دشمنوں کی زبانی ہے۔ اسی قسم کی اور مخالفین اسلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و امانت کے ثبوت میں روایتیں ہیں۔ سب کے لکھنے میں مضمون طویل ہوجائے گا۔ یہ بیان نبوت کے پہلے کا تھا۔ نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کا ظہور زیادہ ہونے لگا۔ کیوں کہ اس کا وقت بھی یہی تھا۔ قرآن شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا بیان متعدد جگہوں میں ہے۔ از ان جملہ مجملاً کل صفات جمیلہ کو شامل اس آیۂ کریمہ میں ہے :

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝۴ (۸)

ترجمہ : اے پیغمبر! تم بڑے اچھے اخلاق کے ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑے بڑے محاسن اخلاق مجتمع ہیں ۔اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابومحمد سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وانك لعلى خلق عظيم ۔ قال تادبت بادب القراٰن فلم تجاوز حدوده وهو قوله تعالىٰ ان الله يامر بالعدل والاحسان... فمن اوتى الخلق الحسن فقد اوتى اعظم المقامات ۔(۹)

ترجمہ : وانک لعلی خلق عظیم یعنی آپ نے ادب قرآنی سیکھا پھر ہرگز اس کے حدود یعنی اخلاق قرآنی سے آپ نے تجاوز نہیں کیا۔ اور وہ ادب قرآنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے عدل واحسان کرنے کو، جس کو نیک اخلاق دیئے گئے اس کو بڑے بڑے مقامات دیئے گئے ہیں ۔

تبصیر الرحمن میں حضرت علی مہایمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ من اخلاق الله تجذب بها الجمهور الى الهداية فيكون لك اجرهم الى يوم القيامة ۔ (۱۰)

ترجمہ : یعنی وہ خلق عظیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق الٰہی میں سے ہے، جس کے سبب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت لوگوں کو ہدایت کی جانب کھینچ رہے ہیں تو ان سب کے نیک کاموں کے اجر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ قیامت تک رہے گا۔

تفسیر الفواتح الالٰہیہ میں عارف باللہ شیخ نعمۃ اللہ نخجوانی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

وانك من كمال تخلقك بالاخلاق الالهية و تحققك بمقام الخلة والخلافة لعلى خلق عظيم لاخلق اعظم من خلقك لخيازنتك و جمعك خلق الاولين والاخرين حسب جامعية مرتبتك ۔(۱۱)

ترجمہ : اور بے شک آپ بدرجہ کمال متخلق باخلاق الٰہی ہونے کے وجہ سے اور مقام خلت وخلافت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونے کے سبب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اچھے اخلاق کے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیک خلق سے بزرگ تر کوئی دوسرا خلق نہیں، بہ سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخزن ومجمع خلق اولین وآخرین ہونے کے موافق اپنے عالی مرتبہ کی جامعیت کے ۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۱۲)

ترجمہ : اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک تم پیغمبروں میں سے ہو، سیدھے رستہ پر ہو۔

یہ آیت بھی اپنے اجمال کے ساتھ اتنی بات ضرور ظاہر کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے احکام آسان غیر تکلیف دہ ہیں ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی و دینی معاملات کافر ومسلم سب کے ساتھ راستی وصفائی کے ساتھ تھے ۔اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت کا طریقہ پورے اعتدال کی روش میں ثابت اور قایم رہا ہے ۔کیوں کہ صراط مستقیم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل ثبوت اس بات کا ہے کہ کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا افراط وتفریط سے پاک و بری اور تمام اعتدال کے اندر تھا۔احادیث وسیر سے بھی یہی ثابت ہے۔اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی مہایمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

انك لمن المرسلين اذ بالرسالة يتم الاستيلاء على الكمالات الانسانية و السيادة على سائر الموجودات و بها كمال اليمن و السبق وهي المفيد لليقين و السير المرضية على اكمل الوجوه و يتيسر لصاحبها بالسرعة مالايتيسر لغيره كيف و قد حصلت لك كل هذا المناقب مع كونك على صراط مستقيم في باب الاعتقادات والاعمال و الاخلاق بالاعتدال فيها بين طرفي الافراط و التفريط على وفق الدلائل العقلية و النقلية والكشفية۔

ترجمہ : (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ درجہ کمال پر پہونچانے کو پیغمبری دی گئی) اس لیے کہ پیغمبری ہی سے کمالات انسانی اختیار میں آجاتے ہیں،اور کل مخلوقات پر سرداری ہوتی ہے، اور اس رسالت ہی سے کمال نیک بختی اور پیش دستی پانا ہوتا ہے۔اور وہی یقین اور پسندیدہ روش کے لیے تمام تر مفید ہے۔اور رسالت والے کو یہ کمالات اتنا جلد مہیا ہو جاتے ہیں کہ دوسرے کے واسطے نہیں ہوتے۔اور آپ کو تو یہ کمالات وفضائل حاصل ہو چکے ہیں ساتھ ہی آپ صراط مستقیم پر ہیں۔دلی اعتقادات میں (تمام جوارح کے) کاموں میں نیک خصلتوں میں (کہ یہ کل صفات آپ کی ذات اقدس کے اندر ہیں) نہ افراط،نہ تفریط کامل اعتدال کی حد میں ہیں،یہ دلائل عقلی ونقلی وکشفی سب کے موافق۔

اہل طریقت میں دعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝ سے غرض یہ ہی ہے کہ اعتقادات قلبی صحیح ہوں اور اعمال جوارح عقیدہ کے موافق ہوں۔خصائل نیک سے آراستگی ہو۔اسی کی تکمیل اور اس پر استقامت کا نام طریقت ہے۔سالکین طریقت میں سے ناقصین اپنی دعا میں ان کمالات کی تکمیل چاہتے ہیں،اور کاملین اس میں رسوخ واستقامت کے خواستگار ہیں، وہ استقامت جو پیغمبروں اور ان کے متعلقین صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں کو تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں خصائل نیک ہونے کی خبر دے کر مسلمانوں کو ان خصائل کے اپنے میں حاصل کرنے کی اس آیۃ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے ترغیب وتحریص دیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ ۔(۱۳)

ترجمہ : (مسلمانو!) تحقیق تمہارے لیے رسول خدا کی خصلت (پیروی کرنے کے لیے) بہتر ہے۔(تم میں سے) جو شخص خدا سے ملنا چاہتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس آیت میں گزشتہ آیت کی طرح مجرد خبر دینا ہی مقصود نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کی طرف اشارہ وارشاد ہے۔یعنی آپ کے اخلاق حسنہ اخذ کرنے کی خاص کر کے ہدایت ہے۔اس آیت شریفہ کی تفسیر حضرت شیخ نعمۃ اللہ نخجوانی رحمہ اللہ نے اس طرح سے کی ہے :

لقد کان لکم ایھا المومنون المخلصون الطالبون المتخلقون باخلاق اللہ تعالیٰ الھاربون عن عدوہ فی رسول اللہ المبعوث لارشاد کم وھدایتکم اسوۃ حسنۃ وخصلۃ بدیعۃ یجب لکم التاسی والانصاف بھا لمن کان یرجواللہ ای لقائہ و مطالعۃ وجھہ الکریم۔ (۱۴)

بہ تحقیق تمہارے لیے ایمان والو! مخلصو! اللہ کے طالبو! اخلاق اللہ سے متصف ہونے والو! دشمن خدا (شیطان) کی صفات (ناشائستہ) سے بھاگنے والو، خدا کے (ان) پیغمبر میں کہ تمھیں اللہ کی راہ دکھانے کو بھیجے گئے ہیں، نیک خصلت عمدہ ہے، تمھیں اس خصلت کی پیروی اور اسی صفت کا شخص ہوجانا واجب ہے، جو کہ اللہ سے ملنا اور اس کے دیدار چاہے۔

یعنی اہل طریقت جو توحید کامل کے حصول اور حقیقت ایمان کے ظاہر ہوجانے کی سعی میں ہیں، جس کی ساری عبادتیں خالصاً للہ ہیں، جو اللہ کے سوا بہشت وغیرہ کچھ نہیں چاہتے :

ہر کس بہ ہوائے بشری خود دارد زتو مقصودے ❁ اے جملہ طفیل تو من از تو ترا خواہم

جو صفات بشری کو چھوڑنا اور اخلاق الٰہی سے متصف ہونا چاہتے ہیں، تو ان کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی، عبادات ومعاملات وعادات سبھی میں واجب ہے، کیوں کہ متخلق باخلاق الٰہی ہونا اور وصول الی اللہ اسی اتباع کے ساتھ مربوط ہے۔ اخلاق محمدی حاصل کرنا ایسا ضروری ہے کہ بغیر اس کے اخلاق الٰہی سے متصف ہونا ممکن نہیں :

باخلاق الٰہی متصف بودن اگر خواہی ❁ سراپا سیرت وخوی محمد شو محمد شو

خود ارشاد خداوندی ہے :

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔(۱۵)

ترجمہ : (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس محبت یا دوسرے لفظ میں اللہ کی ولایت کا وعدہ ہے، وہ پیروی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں مشروط ہے، لیکن یہ پیروی بے سمجھے بوجھے خود غرضی سے نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صوم وصال (رات دن کا روزہ متصل بے غذا کے اور کوئی دن پیہم) رکھتے تھے، تو ہم بھی اس سنت کی پیروی کریں و مثل ھذا جتنی باتیں آپ کے واسطے خاص تھیں اس میں ہم بھی حصہ لیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے اور ارشاد کے موافق کام کرنا چاہئے۔ صوم وصال آپ رکھتے تھے، لیکن امت کو شفقتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ پھر ترک لذات اور رہبانیت تو سنت نبوی بھی نہیں۔ اور منع صریح موجود "لا رھبانیۃ فی الاسلام" فرما کر گویا دینداری ہی سے اس کو خارج کر دیا، تو جو مسلمان ترک لذات و رہبانیت کو نفس کشی کی غرض ظاہر کر کے اختیار کرے تو یہ اس کے محاسن اخلاق میں شمار نہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

ان اللہ بعثنی لتمام مکارم الاخلاق و محاسن الافعال۔ (۱٦)

ترجمہ : بے شک اللہ نے مجھے بھیجا بڑے اچھے اخلاق اور نیک کاموں کے پورا کرنے کے لیے۔

محاسن اخلاق وافعال میں وہ چیزیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وافعال وعادات میں سے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو اس کی تعلیم فرمائی ہے۔

غرض یہ کہ حکم :"اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ "(۱۷) اور "مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" (۱۸)(پیغمبر کی فرماں برداری کرو۔اور پیغمبر جو کچھ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس لائے ہیں،اس کو قبول کرو اور جس چیز سے وہ تمہیں روک دیں،رک جاؤ) کے موافق اگر پیروی ہو تو وہی قصر شریعت کا ستون ہے اور وہی قفل طریقت کی مفتاح ہے۔اصل بیان اخلاق محمدی سے،میں کچھ دوسری طرف چلا گیا۔اب پھر مقصود کو شروع کرتا ہوں۔

قرآن مجید میں آپ کی صفات مذکورہ میں سے ایک یہ بھی ہے۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۸ (۱۹)

ترجمہ : ایمان والوں پر تلطف کرنے والے مہربان ہیں۔

رؤف رحیم منجملہ ان اسمائے الٰہی کے ہے،جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام قدیم میں اپنی صفت خاص کے بیان میں کہیں "اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴۳" (۲۰) اور کہیں " اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷" (۲۱) فرمایا ہے۔اسی سورۂ توبہ کے رکوع ۱۴ میں اپنی صفت عظیمہ کو اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۷ ،اور رکوع ۱۶ میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کریمہ "بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۸" فرمایا۔یہاں "بِالْمُؤْمِنِيْنَ" ہے تو وہاں بھی "بِهِمْ" سے مومنین ہی مقصود ہیں۔اسی طرح اور بھی بہت صفات حمیدہ اور اسمائے شریفہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن مجید میں ہیں،جو مثل رؤف رحیم کے وہ سب بھی روایت اسمائے حسنیٰ میں موجود ہیں۔اس روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا متخلق باخلاق اللہ ہونا قرآن مجید وحدیث شریف سے ثابت ہے۔اسی معنی میں کسی نے کہا ہے :

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے صفت پوچھو خدا کی ۞ خدا سے پوچھئے شان محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

دوسرا کہتا ہے :

بخشش میں وہ مصروف یہ سرگرم شفاعت ۞ اللہ سے ملتی ہوئی ہے خوئے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

جو لوگ آپ کی ہدایت سے ایمان لائے،اُن پر فطرتاً آپ کی رافت ورحمت وعنایت کی نظر ہونی ضرور تھی۔جس کا ذکر آیت کریمہ مذکورہ بالا میں یا جس طرح کے مزاج کی نرمی کا بیان اس آیت شریفہ میں ہے :

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ" (۲۲)

ترجمہ : (اے پیغمبر!) اللہ کی مہربانی (تم پر ہونے کے سبب سے) ان کے لیے نرمی کرتے ہو اور اگر تم سخت زبان،سخت دل ہوتے تو یہ سب تمہارے پاس سے جدا ہو جاتے۔

تو کیا یہ رحمت ولینت مومنوں اور مسلمانوں ہی پر محدود تھی، نہیں بلکہ مسلمان و نامسلمان سبھوں پر بلکہ تمام عالم پر۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں ہے :

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ﴿۱۰۷﴾ (۲۳)

ترجمہ : اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم کو نہیں بھیجا ہے مگر تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی رحمت عمیم اور مہربانی وتلطف عظیم کا باعث تھا کہ خاص وعام مومن وکافر سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم وکرم کے گرویدہ اور دوست تو دوست دشمنوں تک آپ کی طرف کھنچے چلے آرہے تھے۔ اور دین اسلام میں جذب ہوتے جارہے تھے۔ اُس وقت کے مشرکین ویہود ونصاریٰ میں سے جتنے لوگوں نے حضوری میں حاضر ہوکر بے واسطہ گفتگو کی یا جنہوں نے وفد بھیج کر بالواسطہ اپنے مطلب ومقصود کا اظہار کیا، یا جن سے قومی صلح یا معاہدہ کے قسم سے معاملات پیش آئے، ایسے کُل لوگوں کو آپ کے تلطف وعنایات، حسن اخلاق ومدارات اور مزاج مبارک کی نرمی وشیریں کلامی سے نفع عظیم وفائدہ کثیر پہنچا۔ احادیث میں اسلامی تواریخ میں ان باتوں کا بیان مفصل موجود ہے۔

رحمۃ للعالمین کی تفسیر میں شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تفسیر روح البیان کے اندر ایک قول یہ بھی لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک بہ حق کفار بھی رحمت ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے ان سبھوں پر عذاب میں تاخیر ہوئی، اور خسف ومسخ ہونے یا اسی وقت اُن کے استیصال ہوجانے سے وہ سب محفوظ رہے۔

روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ﴿۱۰۷﴾ (اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! لیکن رحمت سارے جہاں کے لیے) تو کیا تمہیں بھی اس رحمت سے نفع پہنچا ہے؟ انہوں نے کہا: کہ ہاں، میں اپنے عاقبت کار سے ڈر رہا تھا کہ کیا ہوگا (شیطان کے راندے جانے کو دیکھ کر ڈر رہا تھا) پھر جب اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے میری صفت یہ بیان فرمائی :

ذِىۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِى الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍۙ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍؕ﴿۲۱﴾ (۲۴)

ترجمہ : قوت والا صاحب عرش کے پاس مکین مطاع اور امین تو میں بے خوف ہوگیا۔

یعنی اس آیت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچانے کا جب مجھے حکم ہوا جس میں میری نسبت "عِنۡدَ ذِى الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍۙ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍؕ﴿۲۱﴾" ہے، تو میں اپنے حسن خاتمہ پر متیقن ہوگیا۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ قریش وغیرہ کے خسف ومسخ واستیصال سے آپ کی بدولت بچنے کا ثبوت کامل اس آیت کریمہ سے ہے: "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ " (۲۵) اور یوں ہی واقع بھی ہوا کہ عرب کے مشرکین ویہود ونصاریٰ کا استیصال جزیرہ نمائے عرب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوا، جب تک آپ زندہ رہے، منکرین پر یہ عذاب نہ آیا، اور جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں رہے قریش قتل وہلاکت سے بچے رہے۔

ابن قیم جوزی رحمہ اللہ بھی جلاء الافہام میں " رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ " کی توجیہ میں لکھتے ہیں کہ اصح القولین یہ ہے کہ وہ یعنی رحمت کا لفظ اپنے عموم پر ہے ۔ بعد اس کے بتاتے ہیں کہ اعداء وکفار میں سے وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدال وقتال کرتے رہے ان کے حق میں، اور جنہوں نے صلح وآشتی کا معاہدہ کرلیا ان کے حق میں، اور جنہوں نے منافقانہ ظاہر داری سے فرماں برداری کی ان کے حق میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کر رحمت تھے؟ اور ان میں سے ہر گروہ کو کس کس قسم کے فوائد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچے؟ تفسیر مذکور اور جلاء الافہام کی عربی عبارت بہ سبب طوالت کے ترک کرکے ترجمہ بھی ملخص لکھنے پر اکتفا کیا کہ تطویل مقصود نہیں ۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں ایسا خلق عظیم ودیعت فرمایا تھا کہ جس کے سبب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ اور عادات شریفہ سے دوست ودشمن موافق ومخالف سب متمتع ومستفید ہوئے ۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت تھے، اور سب کے لیے تھے ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم بھی ایک معجزہ تھا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طفولیت ہی میں یتیم ہو گئے تھے، والدین اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ رہتے تو ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے پڑھنے کے لیے کچھ سامان کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے کے ساتھ اس وقت کے بڑے احبار وقسیسین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و فضل تسلیم کرکے عجز ونیاز اپنا ظاہر کریں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھنے پڑھنے کی نوبت نہ آئی ۔

نگار من کہ بہ مکتب نرفت خط نوشت ۞ بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

زمانہ طفولیت میں جو کچھ شعور کی ابتدا ہوئی تو مرضعہ کے گھر جن کا قبیلہ بدوی تھا ۔ ان میں نہ علم تھا، نہ مدنیت تھی، جوانی کا وقت ان لوگوں میں گذرا، جن کو پڑھنے لکھنے سے سروکار نہ تھا، ساری قوم جاہل تھی، " بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ " (۲۶) (ان پڑھ لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر انہی لوگوں میں کا بھیجا) اس قوم کے ان پڑھ ہونے کی بین دلیل ہے، الاماشاء اللہ بعض آدمی پڑھے لکھے تھے بھی تو اقل قلیل تھے، جن کا عدم ووجود برابر تھا، جس طرح کمالات انسانی، اکتسابی و تعلیمی و دنیاوی معاشرت کے متعلق ہوں یا دینداری کے، ان میں کسی چیز کا وہاں وجود نہ تھا ۔ کمالات فطری وجبلی جو انسان میں ہونے چاہیے وہ بھی ان لوگوں میں نہ تھے، باستثنائے شجاعت وجرأت کے جس کے بے محل استعمال کرنے سے مثل ان کے دوسری بداخلاقیوں کے شجاعت وجرأت کی نیک صفت بھی بدنام ہوگئی تھی، ایسی حالت میں کل کمالات انسانی فطری واکتسابی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں پایا جانا ایسی حیرت انگیز بات ہے کہ بجز اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں یہ بھی ایک معجزہ تھا، اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مخلوق کی تعلیم کے احسان مند نہ ہوئے، اس پر کلام الٰہی شاہد ہے :

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ (۲۷)۔۔۔(جولوگ پیغمبر نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں) لیکن الٰہی تعلیم نے: وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ؕ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ﴿۱۱۳﴾ (۲۸)۔۔۔(اور اللہ نے تمہیں سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے، اور تم پر بڑا فضل خدا کا ہے) علم اولین وآخرین کا عالم بتادیا، جیسا کہ: وعلمت علم الاولین والآخرین" (۲۹)۔۔ (تجھ کو اولین وآخرین کا علم سکھایا گیا) ظاہر ہے کہ اور تمامی محاسن اخلاق کے حصول کو بھی افضال خدا ہی کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوب فرمایا: "ادبنی ربی" (۳۰)۔۔ (مجھ کو میرے رب نے ادب سکھایا)۔ اور "ان اللہ بعثنی لتمام مکارم الاخلاق و کمال محاسن الافعال" (۳۱)۔۔ (مجھ کو اللہ نے اچھے اخلاق واعمال کی تکمیل کے لیے بھیجا)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کل اخلاق حمیدہ کا بیان نہ مجھ جیسے عاجز سے ہوسکتا ہے، نہ اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش ہے، لیکن بعض صفات حسنہ کو بے لکھے مضمون تمام کردینے کو بھی دل نہیں مانتا۔

صبر:

جنگ احد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر زخم پہونچا اور دندان مبارک سامنے کے شہید ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف شاق گزری۔ انہوں نے کہا: کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار پر بددعا فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں لعنت کرنے والا نہیں آیا ہوں، میں (اللہ کی طرف) بلانے والا ہوں (اللہ کی طرف) سے رحمت ہوں۔ اور یہ دعا فرمائی: یا اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما کیوں کہ یہ نہیں جانتے (کہ مخلوق کو اپنے خالق کی بندگی چاہیے یا دوسرے کی۔ اور پیغمبر سے محبت کرنی چاہیے یا عداوت) اس واقعہ پر صبر اس تعلیم کے ساتھ تھا: "فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ" (۳۲) اور "فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا ﴿۵﴾ (۳۳) (صبر کرو جس طرح پہلے بڑے صاحب ہمت پیغمبران صبر کرتے رہے ہیں۔ صبر کرو اچھا صبر)۔

عفو:

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تشریف لے گئے تھے۔ ایک درخت کے نیچے تنہا قیلولہ فرمایا۔ اصحاب رضی اللہ عنہم بھی کچھ دور قیلولہ میں سوئے تھے۔ غورث بن حارث نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا قیلولہ میں پاکر قتل کے لیے تلوار بلند کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس وقت اس پر پڑی کہ وہ غفلت میں قتل کرنے کو ہاتھ اٹھا چکا تھا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہوئے پاکر کہنے لگا کہ اب مجھ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ (اس کہنے کے ساتھ ہی) اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گرگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تلوار کو لے کر فرمایا: اب (تو بتا) تجھے اب مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اس نے کہا: (میرے حق میں) تلوار ہاتھ میں لینے والوں میں سے آپ بہترین آدمی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور معاف کردیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی قوم میں جاکر کہا کہ میں اس وقت بہترین شخص کے پاس سے چلا آتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بچانے والا اللہ تعالیٰ کو فرمایا۔ اس تعلیم سے کہ: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۳۴) (اے پیغمبر! تمہیں کافی ہے اور مومنین میں سے جو تمہاری پیروی کریں ان کو بھی) اور" وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ" (۳۵) (اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اسے بس ہے یعنی مدد دینے والا) اور عفو فرمانا اس تعلیم سے: "فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ" (۳۶) (عفو کرو اور درگزر کرو ان سے)۔

عبداللہ بن ابی منافق نے اس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں فتنہ وفساد اور حملے کئے کہ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ سے بھی تحمل نہ ہوسکا، اور مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے اسے روکا اور مقابلہ کیا۔ اصحابؓ تو اس کے قتل کردینے پر ہی مستعد ہوگئے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو روکا اور منع فرمایا، اور ہمیشہ اس کی شرارتوں سے درگذر اور اس پر عفو ہی فرماتے رہے۔

ایک بدوی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک اس زور سے جھٹکا دے کر کھینچا کہ اس چادر کے حاشیہ موٹا اور گفش ہونے کے باعث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر نشان پڑ گیا۔ پھر اس نے کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ان دونوں اونٹوں کو مال سے لاد دو۔ کون مال (نقل کفر کفر نہ باشد) جو نہ تمہارے نہ تمہارے باپ کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا ٹھہر کر فرمایا: مال تو اللہ کا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں اور فرمایا: تجھ سے جھگڑیں گے جو (ظلم) میرے ساتھ کیا ہے۔ اس پر اس نے کہا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں؟ اس نے کہا اس لیے کہ تم برائی کا بدلہ برا نہیں کرتے ہو۔ اس کہنے پر اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور اس کے ایک اونٹ پر جو اور دوسرے پر کھجور بار کرا دیا۔

ایسے جلیل الشان پیغمبر جن پر ایمان لانے اور مدد کرنے کے لیے گزشتہ انبیا سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عہد لیا گیا ہو:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ الآیہ (۳۷)

ترجمہ: اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب وحکمت دوں پھر اس پیغمبر کو بھیجوں جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو ضرور چاہیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو۔

جن کا ادب اصحاب اس قدر کرتے ہوں کہ مجلس میں اس طرح ساکت بیٹھتے ہوں کہ چڑیا آکر سروں پر بیٹھ جائے، ان کے ساتھ ایک بدوی ایسی سخت کلامی سے پیش آئے اور تحمل فرمائیں اور نیک سلوک فرمائیں۔ کتنا بڑا حلم ہے۔ یہ عظیم صفت اس آیت کے موافق ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ (۳۸)

ترجمہ: بری باتوں کا جواب بہت اچھی بات سے دیا کرو۔

اس کے علاوہ بہت واقعات ہیں کہ بدویوں کے ظلم کا بدلہ نیکی، ان کے ساتھ فرماتے رہے۔

فتح مکہ کے روز جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں پر پورا قابو ہو جانے کے بعد معافی اور آزادی عطا فرمائی ہے، وہ بے نظیر معافی ہے۔ یہ سب عفوو درگزر کے معاملات اس تعلیم الٰہی کے زیر اثر تھے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ (۳۹)

ترجمہ: اے پیغمبر! عفو کرنا عادت کرو اور اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرو۔

چشم پوشی ومروت:

یہ صفت متعلق عفوو درگزر کے بھی ہے اور حیا کے بھی۔ اس لیے عفو کے تحت میں جو روایتیں لکھی گئیں، اس میں چشم پوشی کے متعلق بھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ میں سے یہ بات تھی کہ بدی کے بدلہ میں کسی کے ساتھ بدی نہ کرتے، بلکہ اس سے درگزر اور چشم پوشی فرماتے۔ کئی روایتوں میں منقول ہے:

ولا یجزی بالسیئۃ السیئۃ ولکن یعفو و یصفح۔

ترجمہ: بدی کا بدلہ بدی کے ساتھ نہ لیتے، لیکن عفو کرتے اور درگزر فرماتے۔

زید بن سعنہ یہودی نے مسلمان ہونے کے پہلے آکر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے باقی قرض کے ادا کر دینے کا تقاضہ کرتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کا دامن وغیرہ سب پکڑ کر کھینچا اور کہنے لگا کہ تم لوگ اولاد عبد المطلبؓ نے وفائے عہد یا ادائے قرض میں مدت کو بڑھانے والے ہو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو ڈانٹا اور تشدد سے بولنے لگے۔ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کی باتوں پر تبسم فرما رہے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! ہم اور وہ تمہاری ذات سے بہ نسبت اس بات کے دوسری بات کے زیادہ محتاج تھے۔ مجھے تو ادائے قرض کی خوش معاملگی کے ساتھ اور اس کو خوش اسلوبی سے تقاضہ ومطالبہ کے لیے تم مشورہ دیتے۔ پھر فرمایا: اس کے ادا کی مدت میں گو ابھی تین دن باقی ہیں۔ اس کا یہ قرض ادا کر دو اور اپنے ڈانٹنے دھمکانے کے مکافات میں بیس صاع کھجور الگ سے زیادہ دے دو۔ یہ دیکھ کر زید مسلمان ہو گئے۔

حیا:

یہ صفت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہ درجہ کمال تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس شریف وصف کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر عالی مرتبہ پر پہنچایا ہے کہ حیا کو ایمان کا جزو فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی صفات کمال الٰہی میں سے ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ یستحی من ذی الشیبۃ المسلم ان یعذبہ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حیا کرتا ہے مسلمان پکے بال والے سے، یہ کہ اس کو عذاب دے۔

اور دوسری حدیث شریف میں ہے :

ان اللہ تعالیٰ حیی کریم یستحی اذا رفع العبد الیہ یدیہ ان یردھما صفرا خائبین.

ترجمہ : بے شک اللہ تعالیٰ بڑی حیا والا بڑا بخشش والا ہے۔ وہ اس بات سے شرم کرتا ہے کہ بندہ جب اس کی طرف ہاتھوں کو (مانگنے کے لیے) پھیلائے تو وہ اس کو خالی پھیر دے۔

اور اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا ہے :

اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ (۴۰)

ترجمہ : بے شک یہ بات پیغمبر کو ایذا دیتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں۔ یعنی حیا کی وجہ سے کہتے نہیں ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کنواری لڑکی سے بھی جو حجاب میں رہی ہو، زیادہ باحیا تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی باتوں سے شرم کرتے تھے کہ کسی کے منہ پر کہہ دیں اور وہ شرمندہ ہو جائے، کسی کی ناشائستہ بات کی خبر آپ کو پہنچتی تو اس کا نام لے کر یہ نہ فرماتے کہ فلاں شخص کا یہ حال ہے، بلکہ یوں فرماتے کہ قوم کو کیا ہوا کہ ایسا کرتے ہیں۔ یعنی صریح کسی کا نام لے کر اس کا عیب ظاہر کرنے سے خود حیا کرتے تھے کہ سننے کے بعد اس فاعل کو شرمندگی نہ ہو۔ کنایۃً فرماتے جس کو سن کر وہ متنبہ ہو جاتا۔

جود و کرم و سخاوت :

یہ فطری اور جبلی صفت کمال انسانی سے ہے۔ یہ صفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی کامل تھی کہ نبوت سے پہلے کے واقعات میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک آدمی کو ایک ایک سو اونٹ عطا فرمایا۔ اور صفوان کو تو سو اونٹ دے کر پھر ایک سو اور تیسری بار پھر ایک سو۔ اس طرح ایک شخص کو تین سو اونٹ عطا فرمایا۔ ایک اعرابی کی حکایت اوپر گزر چکی کہ اس کے نہایت بے ادبانہ سخت درشت کلامی کے ساتھ اس کے ایک اونٹ پر جَو اور دوسرے پر کھجور بار کر دیا۔

کسی سائل کے سوال پر نہیں کبھی نہ کہا یعنی دینے سے کبھی انکار نہ فرمایا۔ ایک بار ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس وقت) میرے پاس کچھ موجود نہیں ہے۔ لیکن تو میرے حوالہ پر (اپنی حاجت کی چیز) خرید لے۔ جب میرے پاس (مال) آجائے گا تو میں (اس کی قیمت) ادا کر دوں گا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس چیز پر قدرت نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور نہیں کیا ہے۔ یہ بات ان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہوئی۔ (یہ دیکھ کر) ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرمائیے اور صاحب عرش (خدا) کی طرف سے کمی ہونے کا ڈر نہ فرمائیے۔ (یہ سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک بشاش ہو گیا۔ اور تبسم کے ساتھ فرمایا: میں اسی بات پر مامور ہوں۔ اس ماموریت سے غرض اخلاق الٰہی

کی الٰہی تعلیم ہے کہ ہر ایک کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے موافق ہوتا تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: ”کان خلقه القراٰن“۔ آپ کا خلق (مطابق احکام) قرآن تھا۔

معاشرت:

طرز معاشرت یا حسن معاشرت کہیے اس قدر سادہ اور تصنع و تکلف سے خالی اور جلیسوں اور ملاقات کے لیے آنے والوں کے ساتھ تلطف آمیز واقع ہوا تھا کہ جتنے لوگوں نے صاف دلی کے ساتھ ملاقات کی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و مہربانی کے گرویدہ ہو گئے۔ اچھی یا بری صفت ہر آدمی کی اس کے ساتھ چندے رہنے سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد برے سے نفرت اور اچھے سے محبت و الفت ہونا لازمی امر ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حلیہ وشمائل کی روایت کا یہ جملہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت کو پورا ظاہر کرتا ہے:

من راٰه بداهة هابه و من خالطه معرفة احبه۔

ترجمہ: جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بداہۃً دیکھا وہ ڈرا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھا۔

یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے کشادہ دل اور (کلام میں وفائے عہد میں) بڑے سچے اور نہایت نرم طبیعت والے، لوگوں کے ساتھ معاشرت میں بڑے کریم الاخلاق تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشادہ دلی کی نسبت قرآن شریف میں ہے:

فَلَا يَكُنۡ فِىۡ صَدۡرِكَ حَرَجٌ مِّنۡهُ ۔

ترجمہ: پس اس سے تمہیں تنگ دل نہ ہونا چاہئے۔

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے مکان پر اُن کی عیادت کو تشریف لے گئے، جانے کے وقت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے۔ معاودت کے وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے گدھے کی پیٹھ پر بجائے زین کے چادر تہہ کی ہوئی ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لیے حاضر کی۔ اس غرض سے کہ یہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ آرام تنہا سوار ہو کر تشریف لے جائیں۔ اور اپنے بیٹے قیس رضی اللہ عنہ کو یہ کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچانے ساتھ جاؤ۔ وہ ساتھ چلنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ساتھ اس گدھے پر سوار ہو جاؤ۔ انہوں نے انکار کیا تو فرمایا کہ اس گدھے پر سوار ہو کر چلو، نہیں تو پھر جاؤ۔ یعنی ان کا پیادہ ساتھ ساتھ چلنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہ فرمایا۔ اصحاب کے ساتھ تلطف و مہربانی فرمانے سے ان کی الفت کو بڑھاتے رہتے اور کبھی بھی ان کے ناگوار خاطر کام نہ کرتے، اور اس سے اُن میں نفرت نہ دلاتے۔ قوم کے شریف و کریم کا اکرام اور بچوں پر شفقت فرماتے۔ کہیں کا عامل بنانا ہوتا

تو کریم الاخلاق شخص کو یہ عہدہ عطا فرماتے، تاکہ لوگوں کو اس سے نفع حاصل ہو اور رنج نہ پہنچے۔ اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے کوئی شخص اگر دن بھر نہ آتے تو ان کی کھوج کرتے، کیوں نہ آئے۔ اگر وجہ نہ ظاہر ہوتی تو خود ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ یا کسی کو بھیجتے جس سے حال معلوم ہو جائے۔ اصحاب کو (جس مرتبہ کے ساتھ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مزید ثواب میں) ان کے لائق بیٹھنے کی جگہ مجلس شریف میں عطا فرماتے۔ اور کچھ اس طرح کی مہربانی ولطف سے پیش آتے کہ ہر واحد اُن کا یہی سمجھتا کہ سب سے زیادہ مجھی پر مہربان ہیں۔ کوئی ان میں سے کچھ بات کہنی چاہتا تو بہ توجہ سنتے۔ اور جب تک وہ خود بات تمام نہ کرتے اور دوسری طرف رخ اپنا نہ پھیرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف سے اپنی توجہ کو نہ پھیرتے۔ کوئی شخص سرگوشی سے کچھ بولنے لگتا تو جب تک وہ سر نہ ہٹاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک نہ ہٹاتے۔ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھام لیتا (کچھ بات کرنے کو) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ جب تک کہ وہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک نہ چھوڑے۔ ہم جلیسوں میں (صف سے آگے نکلا ہوا) کوئی کچھ سوال کرتا تو اس کو رد نہ فرماتے۔ بلکہ یا تو پورا کر دیتے، یا آئندہ کا وعدہ فرماتے، وغیرہ باتوں سے اس کی تسکین خاطر فرما دیتے، کیوں کہ یہ الٰہی تعلیم تھی:

وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا۝۲۸ (۴۱)

ترجمہ: (پاس کچھ نہ ہونے کی صورت) میں اگر ان (سائلین و مستحقین) سے اعراض کرنا چاہتے ہو، خدا کی رحمت (مال پہنچ جانے) کی امید رکھتے ہوئے تو ان سے نرمی سے بات کہہ دو (آئندہ کا وعدہ وغیرہ مناسب حال)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کریمانہ شفقت سے بھرے اخلاق ایسے عام طرح پر وسیع ہو گئے تھے کہ پدر مشفق سے بھی بڑھ کر آپ شفقت فرماتے تھے۔ اسی لیے آپ اشفق من الابوین کہلاتے ہیں۔ اصحاب وغیرہ دوست سے لے کر دشمن تک سب سے بشاش چہرہ نرم مزاجی کے ساتھ ملتے۔ نہ منہ بنا کر، نہ بد زبانی سے، نہ سختی کے ساتھ، نہ کسی کو برا کہتے ہوئے، نہ گالی دیتے، نہ فحش بولتے ہوئے، نہ کسی کا عیب بیان کرتے ہوئے، نہ مدح سرائی (خوشامدانہ) کرتے ہوئے، نہ سختی اور برائی کرتے کیوں کہ وہاں تو کل تعلیم الٰہی تھی اور اخلاق الٰہی سے متصف تھے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے: وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ۝۴۶ (۴۲) (تمہارا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔) تو اس کے پیغمبر کہ اس کی صفات کمالات کے مظہر اتم تھے، ان سے ظلم یا سختی و درشتی کیوں کر صادر ہو سکتی تھی۔ کسی کی کوئی بات بری معلوم ہوتی تو اس کی طرف سے تغافل فرمایا کرتے، تاکہ وہ یہ جان کر کہ آپ مطلع ہو گئے ہیں شرمندہ نہ ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے دس برس تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے، کبھی (کسی بگڑے ہوئے میرے کام پر) آپ نے ہرگز اُف نہ کیا۔ کرنے پر یہ نہ کہا کہ یہ کام کیوں کیا۔ نہ چھوڑ دینے پر یہ کہا کہ کیوں چھوڑ دیا۔ مجھ سے کام اچھا ہوتا تو خوش ہوتے اور اگر کام برا ہوتا تو فرماتے۔ تقدیر میں یہ ہی ہونے والا تھا لیکن یہ حکم کہ: "وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ" (۴۳) (اور سختی کرو ان پر) یا "وَلۡيَجِدُوۡا فِيۡكُمۡ غِلۡظَةً" (۴۴) (تاکہ

وہ لوگ تم میں سختی پائیں)۔تو یہ حکم سختی کا ان کفاروں کے حق میں تھا جو قتال و جدال مسلمانوں سے کیا کرتے اور ظلم و زیادتی کرتے رہتے تھے۔ان کے حق میں سختی ہی کی ضرورت تھی، ورنہ دین اسلام کو وہ لوگ دنیا سے مٹا چھوڑتے۔سختی کی جگہ بھی نرمی یا نرمی کی جگہ سختی صفت کمال نہیں ہے، بلکہ عیب ہے۔سختی ونرمی کا اپنے اپنے محل وموقع میں ہونا بھی صفت کمال ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ذاتی کاموں میں کبھی غصہ وغضب نہ فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غضب وغصہ جب ہوتا تو حق تعالیٰ کی حمایت میں، مجلس میں اپنی نشست کے لیے نہ کوئی جگہ ممتاز فرماتے، نہ کبھی مسند وگاؤتکیہ رکھا۔مہمان کے اکرام میں اس کو تکیہ عطا فرماتے۔

لوگوں کی دعوت قبول فرماتے۔لونڈی غلام بلاتا، یا آزاد، غریب ہوتا یا امیر، ہدیہ قبول فرماتے، اگرچہ قلیل چیز ہوتی یا بظاہر حقیر۔بیمار کی عیادت کرتے، اگرچہ دور شہر کے کنارہ پر جانا ہوتا۔جنازہ پر لوگوں کے موجود ہوتے۔کوئی بھی ملاقات کو آتا تو سلام میں پیش قدمی فرماتے۔اصحاب رضی اللہ عنہم سے مصافحہ کے لیے ابتدا فرماتے۔اصحاب کے اکرام کی غرض سے ان کی کنیت مقرر فرماتے اور جس لقب یا نام یا کنیت کو وہ لوگ پسند زیادہ کرتے تھے، اس سے ان کو پکارتے جس سے ان کا اکرام ظاہر ہوتا۔کسی کی بات کو کاٹ کر بات نہ کرتے مگر جب وہ حد سے تجاوز کرتا تو اس کو بولنے سے روکتے یا چلے جانے کو فرماتے۔کوئی اگر کچھ حاجت لے کر ایسے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بیٹھ جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہوتے تو نماز میں تخفیف کر کے جلد تمام کرتے اور اس کی حاجت کو پوچھتے۔فراغت کے بعد پھر نماز میں مشغول ہو جاتے۔کسی لڑکے کی آواز رونے کی نماز کے اندر گوش مبارک تک پہنچتی تو نماز جلد تمام کرتے، تاکہ اس کے رونے کا سبب دریافت فرمائیں۔کبھی منہ بنائے نہ رہتے۔ہمیشہ متبسم رہتے۔مدینہ طیبہ کے لونڈی، غلام برتنوں میں تبرک کی غرض سے پانی صبح کی نماز کے وقت لاتے، تو جو کوئی پانی لاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک اس پانی میں ڈبا دیتے۔غایت یہ کہ جاڑے کے دنوں میں اکثر ایسا ہوا کرتا تھا۔یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال رحمت وشفقت کا باعث تھا کہ جاڑے کی سردی کی تکلیف گوارا فرماتے، لیکن اُن غریبوں کو مایوس نہ پھیرتے۔

عام شفقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر :

امت کے حال پر اس قدر شفقت فرماتے کہ بہت باتوں کو محض شفقتاً منع فرمایا۔مسواک کرنے کے طریقہ میں دانتوں کے طول میں منع فرمایا، اس لیے کہ اس صورت میں مسوڑھوں کے زخمی ہونے کا اندیشہ ہے۔تراویح کی جماعت کو تین یا چار دن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک فرمادیا، امت پر فرض ہو جانے کے خوف سے۔اسی طرح خانہ کعبہ میں دخول حجۃ الوداع میں اختلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے یا نہیں۔انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ مصلحت تھی کہ لوگ اس کو مناسک حج میں نہ شمار کرنے لگیں، اور مشقت میں نہ پڑ جائیں، اسی طرح صوم وصال اور صوم دہر سے بھی شفقتاً منع فرمایا، ہر وضو میں مسواک کرنے کا حکم نہ دیا، اس لیے کہ یہ مشقت کا باعث ہوگا۔

تواضع وفروتنی :

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصا کے سہارے سے باہر تشریف لائے تو ہم لوگ تعظیم کو کھڑے ہو گئے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ کھڑے ہو جس طرح عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے ہیں ۔لیکن اخلاق ومحبت سے آنے والے کے لیے کھڑے ہونا یہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سے ہے ۔حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا جب تشریف لاتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھلاتے ۔ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ پلانے والی ماں کے شوہر ملاقات کو آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کا دوسرا گوشہ ان کے لیے بچھا دیا۔ان کے بیٹھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے،اور اپنے سامنے آگے اُن کو بٹھایا۔

عدی بن حاتم کہتے ہیں: میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون شخص ہے؟ میں نے عرض کیا: عدی بن حاتم ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے ۔اور اپنے مکان میں مجھے لے چلے کہ ایک ضعیفہ عورت مل گئی،اس نے اپنی بات اور کام میں دیر تک روک رکھا۔میں نے اپنے دل میں کہا: واللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ نہیں ہیں ۔بعد اس کے مجھے مکان میں لے گئے اور تکیہ یا بچھاون چمڑے کا جس میں کھجور کا ریشہ بھرا ہوا تھا، لے کر بڑھایا کہ اس پر بیٹھو اور خود زمین پر بیٹھ گئے ۔میں بھی اس طرح بیٹھا کہ وہ وسادہ میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچ میں آ گیا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مکارم اخلاق پر غور کر رہا تھا اور دل میں کہتا تھا، خدا کی قسم یہ بادشاہ نہیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق سے تکیہ بڑھا دیتے ۔اگر کوئی اس پر بیٹھنے یا اس کے لینے سے انکار کرتا تو قسم دیتے کہ اس کا استعمال کرے ۔

نجاشی بادشاہ حبش کے یہاں سے وفد آیا تھا، اس کی خدمت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس مصروف ہوئے ۔یہ دیکھ کر اصحاب نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم لوگ کافی ہیں،ان کی خدمت کے لیے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں نے میرے اصحاب کا اکرام کیا تھا۔میں اُس اکرام کا بدلہ اُن کے ساتھ (اکرام کرنا) پسند کرتا ہوں ۔اصحاب رضی اللہ عنہم کے مجمع میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھے، نہ لیٹے،مگر خاص لوگوں کے ساتھ ۔جس روایت میں ہے کہ ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے تھے ۔اس طرح لیٹنا دوسرے جلیل القدر اصحاب رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے،لیکن آج کل کے جاہل فقرا اس ہیئت سے لیٹنے کو منحوس جان کر منع کیا کرتے ہیں ۔روایت متعددہ سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے میں پیوند خود لگا لیتے ۔اپنی بکری سے خود دودھ دوہ لیتے،نعلین کو ٹانک لیتے،اپنے سواری کے جانوروں کا پاؤں چھان دیتے، چارہ گھانس خود دیتے، مکان کو صاف کر لیتے، اپنا کام خود کر لیا کرتے،غلام اور خادم کے اوپر سے کام کا بوجھ ہلکا کر دینے کی غرض سے اس کے کام میں شریک ہو کر اُس کا ہاتھ بٹاتے ۔اُس کے ساتھ آٹا گوندھ دیتے

اورخمیر کردیتے۔اورخادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نوش فرماتے، بیمار مسکینوں کی عیادت کو جاتے،فقرا کے ساتھ بیٹھتے،ایک عورت جس کی عقل کچھ خبط تھی، آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگی، مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام فلاں (راوی کو اس کا نام یاد نہ رہا اکثر لوگوں کا قول ہے کہ اس کا نام ام زفر تھا) مدینہ کی جس راہ میں تو چاہے، میں تیرے پاس بیٹھ جاوں گا، پھر وہ بیٹھ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے پاس بیٹھ گئے، اس نے عرض کیا: مجھے صرع کا دورہ ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حصول صحت کے لیے دعا فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مدح وصفت ایسی نہ بڑھا جیسی کہ ابن مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی مدح میں مبالغہ عیسائیوں نے کیا (یعنی خدا کا بیٹا)۔

کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "یا خیر البریة" (اے سردار خلق کے) کہا، تو اُسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ذاك ابراهيم" (ایسے تو حضرت ابراہیم تھے) علیہ السلام۔آپ کا خیر خلق اللہ ہونا تو یقینی ہے، لیکن ایسا کہنے سے منع فرمانا محض تواضع نفس تھا۔

عفت :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے کسی اجنبی عورت کا ہاتھ نہ چھوا، عورتوں کی بیعت کے بارے میں کسی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے مصافحہ کرنے سے انکار فرمایا۔کسی روایت میں ہے کہ اپنے ہاتھ پر کپڑا رکھ لیا اور فرمایا کہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں۔کسی روایت میں ہے عورتوں کی بیعت کے وقت ایک ظرف میں پانی کے اندر اپنا دست مبارک ڈباتے تھے۔دوسرے کنارہ پر اسی پانی میں بیعت کرنے والی عورت اپنا ہاتھ ڈباتی۔

عدل وانصاف :

عدل کرنے کا خیال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام تر تھا۔لیکن خیبر کی غنیمت یا یمن سے آئے ہوئے مال کی تقسیم کرتے وقت ایک آدمی نے کہا کہ عدل کیجئے، یہ تقسیم لوجہ اللہ نہیں ہے۔تو اس کے جواب اور اس کے جہالت کے اظہار میں اس سے زیادہ نہ کہا کہ اگر میں نہ عدل کروں گا تو اور کون عدل کرے گا۔اگر میں عدل نہ کروں تو گھاٹے میں تو پڑ جائے اور نقصان اٹھائے۔ یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اگر میں عدل نہ کروں تو (خلاف حکم خدا کرنے سے جس نے حکم دیا ہے: اعدلوا) نقصان اٹھاوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیجئے کہ اس کو قتل کردوں (منافق سمجھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ اللہ! لوگ بولنے لگیں گے کہ اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔

وقار :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں وقار کی صفت بھی کمال درجہ پر تھی، بغیر ضرورت ہرگز کلام نہ فرماتے اور ساکت رہا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار کے اثر سے اور اللہ تعالی کے اس حکم سے "وتوقروہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف اس قدر

موقر تھی کہ اصحاب رضی اللہ عنہم اس خوف سے کہ بے محل نہ بول اٹھیں، منہ میں پتھر رکھ کر بیٹھتے اور اس طرح ساکت اور ساکن رہتے کہ وحشی چڑیا گویا ان کے سروں پر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں یہ وقار تھا کہ ٹھہر ٹھہر کر بولتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بڑھا کر کوئی نہ بولتا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے :

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَرْفَعُوٓا۟ أَصْوَٰتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ ٱلنَّبِىِّ (۴۵)

ترجمہ : اے وہ لوگ کہ ایمان لائے اپنی اپنی آوازوں کو نہ بڑھاؤ پیغمبر کی آواز پر۔

زہد :

بھوک کی شدت میں شکم مبارک پر پتھر باندھ لیتے، لیکن افلاس کی کبھی شکایت نہ کرتے۔ سوال سے کبھی روزی حاصل نہ کی۔ تین دن تک پیہم ایک ہی قسم کا کھانا کھانے کی نوبت نہ آئی۔ شکم سیر ہو کر نہ کھاتے۔ غذا بہ قدر کفایت کرتے۔ غذا میں اکثر جو کی روٹیاں ہوتیں۔ کبھی ستو، کبھی پانی اور کھجور، کبھی سوکھی روٹی کے ٹکڑے پر کھجور رکھ کر تناول کرتے اور فرماتے: "هذه بهذه" برابر مہینہ دو مہینہ تک مکان میں کھانا پکانے کو آگ نہ سلگتی تھی۔ مکان میں رکھا ہوا نہ کبھی ایک کف دست ستو پایا گیا، نہ مٹھی بھر آٹا، کھانے کی چیزوں کا عیب ظاہر نہ فرمایا، بدذائقہ نہ بتایا۔ خواہش ہوتی تو کھاتے نہیں تو چھوڑ دیتے، اس کی مذمت نہ کرتے، ٹھنڈے پانی کی طرف رغبت فرماتے۔ پانی کے درمیان دو بار دم لیتے۔ لباس میں زیادہ پسند آپ کو قمیص اور چادر یمانی تھی۔ موٹا گفش کپڑا پہنتے۔ صوف کا (اونی) لباس اور تحفہ میں آیا ہوا شامی جبہ بھی پہن لیا کرتے۔ عمامہ پہنتے اور اس کا شملہ پیٹھ پر ڈالتے۔ اکثر مقنع رہتے۔ ازار نصف ساق تک رکھتے۔ نعلین سیتے اور جاڑے کے دن میں موزے پہنتے اور وضو میں موزے پر مسح کرتے۔ وفات کے وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے پاس چند صاع جَو یا گیہوں پر گرو تھی، کم سوتے اور سونے کے وقت دستِ راست رخسارہ کے نیچے پہلوئے راست پر سوتے۔ سونے کے پہلے معمول تھا کہ تین تین بار سرمہ آنکھوں میں لگاتے۔

عبادت :

اصحابہ کا قول ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ (کی کثرت) دیکھ کر ہم لوگ سمجھتے کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے، پھر (آپ برابر) افطار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم لوگ کہنے لگتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ نہ رکھیں گے۔ ہر مہینہ میں تین تین روزہ رکھتے۔ تہجد کی نماز میں اسی طرح رات بھر کھڑے نماز پڑھنے سے پائے مبارک ورم کر جاتے اور سوتے ہی نہیں۔ لوگ کہتے: اس قدر مشقت کیوں اُٹھاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو پہلے پچھلے گناہ بخشے ہوئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ کبھی سوا ٹھ کر پڑھتے۔ کبھی ایک آیت کی تکرار میں رات تمام ہو جاتی۔

اللہ تعالیٰ سے خوف ورجا :

اللہ تعالیٰ سے امیدواری اس درجہ تھی کہ اذان کے بعد کی دعا میں مقام وسیلہ قیامت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذات پاک کے واسطے مانگنے کو تعلیم فرماتے ہوئے یہ بھی فرمادیا تھا کہ یہ ایک مقام ہے، جو بندگان خدا میں سے ایک بندہ کو ملے گا۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں گا۔ اسی طرح شفاعت کبریٰ کے اذن ملنے کی کامل اُمیدواری تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے کو پہلے شفاعت کا اذن نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی خدا کا خوف اتنا زیادہ تھا کہ نماز پڑھنے میں خدا کے خوف سے یا غلبۂ شوق وشوقِ مشاہدۂ حق تعالیٰ سے سینہ مبارک سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آواز آتی تھی۔ جس طرح دیگ آگ پر چڑھی ہوئی، سے پانی کے جوش کھانے کی آواز آتی ہے، ہر روز ستر بار یا سو بار (باختلاف روایت) استغفار کرتے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم خدا کی اگر تم جانتے ہوتے جو کچھ میں جانتا ہوں۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت اور اس کے کمال غنا کی صفت) تو خوف سے تم ہنستے کم اور روتے بہت اور عورت سے حظ نہ حاصل کرتے۔ اور مکان سے باہر نکل جاتے۔

ایک حدیث کا ٹکڑا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں جانتا ہوں، حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ ساتھ اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رسول ہونے کو بھی فرمایا۔ پھر بھی اس قدر خوف کا اظہار فرمایا، وجہ یہ ہے کہ جس قدر قرب وقبول تھا، اسی قدر زیادہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عرفان بھی تھا۔ اس کے مقتضا سے خوف بھی زیادہ ہونا چاہیے تھا کسی نے کہا ہے ؏

نزدیکاں رابیش بو حیرانی

مسلمانو! اگر چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست بنالے تو اپنے پیغمبر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خصائل حمیدہ کو اپنے میں پیدا کرو۔ انہیں خصائل کے بدولت سالکِ طریقت، عارف باللہ، صوفی، فقیر کامل، درویش، ولی اللہ، مومن کامل کے معزز القاب سے ملقب ہو سکتے ہو۔ بغیر اس کے ہرگز اپنے اپنی موجودہ حالت سے ترقی نہیں کر سکتے۔

معذرت :

جس شرح وبسط سے ایک ایک صفات کو بیان کرنا میں نے شروع کیا تھا، اور آیات کریمہ واحادیث شریفہ سے ثبوت اور اہل طریقت میں سے مفسرین کی تاویل آیات کی نقل لکھنا چاہتا تھا۔ وقت کی تنگی نے تمام تک نہ پہنچنے دیا۔ یہاں تک مجرد اردو ترجمہ پر کفایت کیا۔ اور احادیث کا حوالہ بھی نہ لکھ سکا۔ علماء کو تو حوالہ کی ضرورت اور عوام کو اس سے کوئی بڑا فائدہ متصور نہیں۔ بہت سے اوصاف کے بیان سے میں قاصر رہا۔ وقت ملتا بھی تو میں بالاستیعاب لکھ بھی نہیں سکتا۔ اور اپنی عمر صرف کر دینے پر قادر نہ ہو سکتا اور یہی کہنا ہوتا :

دفتر تمام گشت و بہ پایان رسید عمر ۞ من ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

محمد بن محمد بن محمد

"خلق اگر پرُسد از نامم عیاں سازم ترا"

حاشیہ :

(۱) انجیل یوحنا باب ۱۴، ۲۵، ۲۶ و باب ۱۶، پیری کلی طاس بترجمہ تسلی دہندہ، جو اصل میں پیری کلیوطاس تھا معنی میں ستودہ کے، جس کا عربی ترجمہ احمد ہے اور قرآن مجید بھی یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یاتی من بعدی اسمہ احمد، خطبات احمدیہ صفحہ: ۲۳۔

(۲) کتاب تسبیحات سلیمان یا غزل الغزلات باب ۵ آیت ۱۰ الغایت ۱۶ محمد یم صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) شرح شفا قاضی عیاض للشیخ شہاب الدین الخفاجی رحمہما اللہ تعالیٰ چھاپہ قسطنطنیہ جلد: ۲ ص: ۱۲۰۔

(۴) شفا قاضی عیاض وشرحہ شہاب الدین الخفاجی طبع قسطنطنیہ جلد: ۲ ص: ۱۲۱۔

(۵) شرح مذکور جلد: ۲ ص: ۱۲۲۔

(۶) شرح مذکور جلد: ۲ ص: ۱۲۳۔

(۷) شفا قاضی عیاض وشرحہ شہاب الدین الخفاجی قسطنطنیہ، ج: ۲ ص: ۱۲۱۔

(۸) سورۃ القلم، ع: ۱۔

(۹) تفسیر القرآن العظیم لابی محمد سہل بن عبد اللہ التستری رحمہما اللہ المتوفی ۲۸۳ھ طبع مصر ص: ۱۰۷۔

(۱۰) تفسیر تبصیر الرحمن تصنیف عارف کامل شیخ علی المہائمی رحمہ اللہ طبع مصر ص: ۳۵۷۔

(۱۱) تفسیر الفواتح الالٰہیہ للمعارف باللہ شیخ نعمت اللہ نخجوانی رحمہ اللہ المتوفی ۹۴۰ھ طبع قسطنطینیہ، ج: ۲ ص: ۴۳۴۔

(۱۲) سورہ یٰسین رکوع: ۱ تفسیر تبصیر الرحمن، ج: ۲ ص: ۱۸۲۔

(۱۳) سورۃ احزاب، ع: ۳۔

(۱۴) تفسیر الفواتح الالٰہیہ حضرت شیخ نعمت اللہ نخجوانی رحمہ اللہ، ج: ۲ ص: ۱۵۲۔

(۱۵) سورۃ آل عمران، ع: ۴۔

(۱۶) مشکوۃ ص: ۴۲۳ چھاپہ میرٹھ۔

(۱۷) سورۃ نساء، ع: ۸، ومائدہ، ع: ۱۲۔ وتغابن، ع: ۳، وسورۃ نور، ع: ۷۔

(۱۸) سورۃ حشر، ع: ۱۔

(۱۹) سورۃ توبہ، ع: ۱۶۔

(۲۰) سورۃ بقرہ، ع: ۱۷۔

(۲۱) سورۃ نحل، ع: ۱۔

(۲۲) سورۂ آل عمران، ع:۱۷۔
(۲۳) سورۂ انبیاء، ع:۷۔
(۲۴) سورۂ تکویر، ع:۱۔
(۲۵) سورۂ انفال، ع:۴۔
(۲۶) سورۂ جمعہ، ع:۱۔
(۲۷) سورۂ اعراف، ع:۱۹۔
(۲۸) سورۂ نساء، ع:۱۷۔
(۲۹) حدیث شریف۔
(۳۰) حدیث شریف۔
(۳۱) مشکوٰۃ ص:۴، چھاپہ میرٹھ۔
(۳۲) سورۂ احقاف، ع:۴۔
(۳۳) سورۂ معارج، ع:۱۔
(۳۴) سورۂ انفال، ع:۸۔
(۳۵) سورۂ طلاق، ع:۱۔
(۳۶) سورۂ مائدہ، ع:۷۔
(۳۷) سورۂ آل عمران، ع:۹۔
(۳۸) سورۂ مومنون، ع:۶۔
(۳۹) سورۂ اعراف، ع:۲۰۔
(۴۰) سورۂ احزاب، آیت:۵۲۔
(۴۱) سورۂ بنی اسرائیل، ع:۳۔
(۴۲) سورۂ حم سجدہ، ع:۶۔
(۴۳) سورۂ توبہ، ع:۱۰۔
(۴۴) سورۂ توبہ، ع:۱۶۔
(۴۵) سورۂ حجرات، ع:۱۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

تاریخ موئے مبارک خانقاہ تاج العارفین

جس طرح حضورا کرم، سیدانس وجاں، فخر رسولاں حضرت محمد مصطفےٰ ارواحنا فداہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت والفت ثبوت و کمال ایمان کا جزولاینفک ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی منتسبات سے محبت رکھنااوران کی تعظیم وتکریم بجالاناایمان وعقائد کی بقا وصلاح کے لئے حتمی ولازمی ہے۔حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک نہ صرف آپ ﷺ سے منسوب بلکہ آپ ﷺ کا ایک مکمل عضوشریف ہے جوتمام مسلمانوں کے لئے جان ومال، متاع دنیاودین سے اہم تروافضل ترین ہے۔

ہمارے یہاں خانوادہ کے اصاغروا کابر کے نزدیک موئے مبارک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وفضیلت اور زیارت موئے مبارک کی خدمت کس قدراہم ہے؟ حضرت محی الملۃ والدین قدس سرہٗ کے درج ذیل مکتوب گرامی سے اندازہ کیاجاسکتاہے جوآپ قدس سرہٗ نے ''آرہ'' کے ایک مرید بااختصاص جناب محمد محفوظ عالم مرحوم کے نام مرقوم فرمایاتھا :

۷۸۶ــــ۶۰۶

مجی زادلطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گیارہویں تاریخ جومیرے یہاں بعدنمازظہر موئے مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیارت کی تاریخ دوسوسال سے مقرر ہے اوراس کی خدمت کو ہم لوگ دنیاومافیہا سے بڑھ کرسمجھتے ہیں، میرے عزیزوں میں سے کوئی بھی اس کوکسی حالت میں چھوڑنہیں سکتا،اس لئے گیارہویں تاریخ کومیرے یہاں سے کوئی شریک نہیں ہوسکتاہے ــــ والسلام

محمد محی الدین قادری پھلواروی

۹رذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

زینت نگاہ مضمون (ماخوذازسیرت پیرمجیب ــــ مؤلفہ: عم محترم حضرت مولاناسیدشاہ ہلال احمدقادری مدظلہ العالی) خانقاہ مجیبی میں جلوہ فرماں سرمایۂ دارین ،نعمتِ غیرمترقبہ موئے مبارک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ میں نہایت معلومات افزاہے،موقع کی مناسبت سے ربیع الاول شریف کے پُرسعید موقع پرافادۂ عام کے لئے قارئین کی نذر ہے ــــ (محمد آیت اللہ قادری)

عشق ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت تاج العارفین آفتاب طریقت مخدوم زماں پیرمحمد مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ کی خانقاہ ''خانقاہ مجیبیہ'' کی بنیادی چیز ہے، یہ خانقاہ عشق نبوی ہی پرقائم ہوئی تھی، حضرت تاج العارفین کے بنارس میں

حضرت مولانا رسولنما قدس سرہ سے طریقت کی تعلیم لینے کا بنیادی سبب زیارت نبوی تھی، اس لئے آپ کی تمنا تھی کہ رسول اکرم ﷺ کے آثار بھی آپ کے پاس ہوتے، جس سے نہ صرف آپ کے بے چین دل کو سکون ملتا، عام مسلمانوں کو بھی ذات رسالت سے دلی تعلق قائم رکھنے کا موقع ملتا، چنانچہ آپ کی دلی تمنا پوری ہوئی۔ ۱۱۵۱ھ میں آپ کو آنحضرت ﷺ کے دو موئے مبارک حاصل ہوئے۔ زلف نبوی کے دو تار آپ کو کیا ملے گویا دولت کونین مل گئی۔ اس کی زیارت اور اس سے استفادے کا مستقل سلسلہ شروع کر کے آپ نے لوگوں کو زلف نبوی کا اسیر بنا دیا، موئے مبارک کی آمد محض امر اتفاقی نہیں تھا بلکہ آپ کے پاس آپ کو بارگاہ نبوی کا ادب شناس اور عاشق صادق سمجھ کر پہنچائے گئے تھے اور مشیت الٰہی یہی تھی کہ حضرت تاج العارفین کے ذریعے سے حبِّ نبوی کی شمع روشن ہو اور عشق رسول کی جس دولت بیدار سے آپ کو حصہ وافر ملا تھا، وہ آپ کے واسطے سے آپ کی نسل کی طرف بھی توریثاً منتقل ہوتی رہے اور آپ کی خانقاہ اور سلسلے کی ایک خصوصیت بن جائے، بلاد اسلامیہ اور ہندوستان میں موئے مبارک جا بجا موجود و محفوظ ہیں اور ان کی زیارتیں بھی کرائی جاتی ہیں، لیکن حضرت تاج العارفین نے آثار رسول کی جیسی قدر و عزت کی وہ کسی پیکر عشق و ادب سے ہی ممکن تھی، اس کے لئے ایک محفوظ جگہ متعین کی اور پورے آداب و احترام کے ساتھ رکھا، خانقاہ میں اس کو ایسی بنیادی اور مرکزی حیثیت دی کہ خانقاہ کے معمولات اس کے گرد گھومنے لگے زیارت کے لئے ایسا منفرد طریقہ اختیار فرمایا جس میں عشق و ادب کی پوری رعایت ہو، اس طریقے سے لوگوں نے مقام رسالت کے احترام و عظمت کا سبق سیکھا، آپ کے اثر سے خانوادے کے افراد اور وابستگان سلسلہ نے اس دولت بیدار کے حصول پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا، آپ نے اور آپ کے خلفاء نے اپنے اپنے سفینے اور یادداشتوں میں موئے مبارک کی آمد پر اظہار تشکر کیا، آپ کے ممتاز خلفاء کو بارگاہ رسالت سے بہت سی بشارتیں دی گئیں اور موئے مبارک کے فوائد و برکات بتائے گئے، خانوادے میں جن لوگوں نے بزرگان پھلواری شریف کی تاریخ مرتب کی، انہوں نے اس موئے مبارک کا بطور خاص ذکر کیا، پھلواری کے مؤرخ مولانا امان علی ترقیؔ نے اپنی مثنوی میں طریقہ زیارت موئے مبارک کو تفصیل کے ساتھ نظم کیا، غرض کہ پورے خانوادے اور وابستگان سلسلہ کو اس دولت عظمیٰ کے حصول پر ایسی مسرت اور ایسا انبساط ہوا کہ گویا ان کو سارے جہاں کی شاہی مل گئی۔ ساری زندگی اس پر فخر کرتے رہے، جذبۂ تشکر و امتنان سے کوئی زمانہ خالی نہیں گذرا، شعراء پھلواری نے اشعار میں اس سے اپنی وابستگی اور تعلق کا مؤثر انداز میں اظہار کیا، حضرت مخدوم شاہ ابوالحسن فرد قدس سرہ فرماتے ہیں۔

ساز و برگ من از حمایت اوست ۞ آنچہ دارم ہمہ عنایت اوست
ہر دو زلفش کہ مد ظلہما ۞ بر سرم سایۂ حمایت اوست

تا بگوش است مرا حلقہ زتار زلفش ۞ من و ایں سلسلۂ موئے رسول عربی

شیخ الاسلام شاہ علی حبیب نصرؔ قدس سرہ نے فرمایا:

سایہ زلفت کہ دارد بر سر خود نصرتو ۞ تا ابد ماند دریں ظل حمایت یا رسول

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جو چیز گھر میں موجود ہو اور برابر اس کو دیکھنے کا موقع ملتا رہے تو اس کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے، لیکن حضرت تاج العارفین نے مقام رسالت کی عظمت اور ذات نبوی ﷺ سے محبت وعقیدت اس طرح رگ و ریشے میں پیوست کر دی کہ ڈھائی سو سال سے موئے مبارک کی زیارت ہر ماہ اسی عقیدت ومحبت اور احترام وادب کے ساتھ کی اور کرائی جاتی ہے گویا زیارت کا پہلا موقع ہو، نہ زیارت کے آداب میں کمی واقع ہوئی ہے اور نہ اس کی اہمیت دلوں میں کم ہوئی ہے ؎

ضاعف اللہ بہ کل زمان عطشی

خدمت موئے مبارک جن لوگوں سے متعلق رہی وہ اس کو سعادت اخروی سمجھ کر زندگی بھر انجام دیتے رہے، اور اپنی تمام اہم مصروفیتوں کو (باستثنائے سفر حج) پس پشت ڈال کر اس خدمت سے لگے رہے، اس پابندی اور التزام کے ساتھ اس خدمت کی انجام دہی دراصل آثار رسول کی عظمت کی بناء پر ہے جس کو رسول اکرم ﷺ سے نسبت حاصل ہے، ذات رسالت سے تعلق و وابستگی کی یہ روش اس خانقاہ اور خانوادے کی ایسی خصوصیت ہے جس کی نظیر نہیں ملتی، یہ اگر ایک طرف حضرت تاج العارفین کا فیض ہے کہ لوگوں کے دلوں کو زلف نبوی میں الجھا کر تکمیل ایمان کی راہ ہموار کر دی تو دوسری طرف آثار رسول کے جذب وکشش کا اثر بھی ہے جو اس کی صداقت وصحت کی دلیل بین ہے۔

حضرت نے موئے مبارک کی زیارت کا سلسلہ شروع فرمایا تو زائرین دور دور مقامات سے آ کر زیارت سے مستفیض ہونے لگے، آج بھی زائرین کے ازدہام وکثرت کو دیکھ کر نبی مکرم ﷺ کی آفاقی محبوبیت ومرجعیت اور غیر معمولی جذب وکشش کا ایسا نقشہ کھینچ جاتا ہے کہ :

از طلعت روئے تو ہر خانہ پری خانہ ۞ واز سلسلۂ مویت عالم ہمہ دیوانہ

کا ایک منظر ہوتا ہے، حضرت تاج العارفین نے لوگوں کے دلوں میں ذات رسالت سے عشق ومحبت اور احترام وادب کے مٹتے ہوئے نقوش کو نہ صرف از سر نو زندہ کیا بلکہ اس کو دوام واستحکام بخشا، جذبۂ عشق وادب کو تر وتازہ رکھنے کے لئے آپ کا یہ طریقہ بہت مؤثر، حکیمانہ اور دور رس اثرات کا حامل ہوا جس کا جائزہ چند سطروں میں لینا ممکن نہیں ہے، خانقاہ مجیبیہ میں شریعت وطریقت کی جامعیت اسی اسیری زلف دوتا کا نتیجہ ہے، آپ کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے اور بہت اہم ہے بلکہ بعض خصوصیات کی بناء پر منفرد بھی ہے۔

عشق خدا را سلسلہ جنباں جاذب دلہا جانب یزداں ۞ سلسلۂ گیسوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

یہ موئے مبارک جو حضرت تاج العارفین کو حاصل ہوئے، یہ حضرت قطب جمال ہانسوی قدس سرہ کو ایک عرب سید نے یمن سے لا کر دیا تھا۔

آپ چشتی سلسلے کے مشہور بزرگ ہیں، آپ کا پورا نام شیخ جمال الدین احمد الخطیب ہانسوی ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

کی اولاد میں تھے حضرت شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین مسعود شکر گنج قدس سرہ کے اعاظم خلفاء میں تھے، حضرت گنج شکر آپ سے بہت محبت کرتے تھے، ان کی محبت میں بارہ سال تک ہانسی میں رہے، فرماتے تھے کہ جمال، میرا جمال ہے، خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ ایک بار حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے حضرت بابا فرید سے فرمایا کہ جمال کو مجھے دیدیجئے، میں اپنے ساتھ رکھوں گا، حضرت باباصاحب نے فرمایا یہ کیسے ممکن ہے، کوئی شخص اپنا جمال کسی کو کیسے دے سکتا ہے۔

حضرت باباصاحب جس کسی کو خلافت دیتے، حضرت قطب جمال کی تائید وتصویب ضروری سمجھتے تھے، وہ اگر سند خلافت پر مہر لگادیتے تو حضرت شکر گنج بھی منظور فرمالیتے لیکن اگر وہ رد کردیتے تو حضرت باباصاحب کے نزدیک بھی خلافت کالعدم ہوجاتی، باباصاحب فرمایا کرتے تھے کہ ”پارہ کردہ جمال رافرید نتواں دوخت“—— جمال کے چاک کردہ کو فرید نہیں سی سکتا۔

حضرت بابا فرید الدین شکر گنج ان کے فقر وتوکل اور احوال وکیفیات کے بڑے معترف تھے اور ان سے بہت خوش رہتے تھے، ایک مرتبہ ہانسی سے ایک شخص آیا تو حضرت باباصاحب نے پوچھا کہ میرا جمال کیسا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ جب سے وہ مخدوم کی خدمت سے وابستہ ہوئے ہیں تمام دنیوی مشاغل اور خطابت کے مشغلہ کو مکمل طور پر ترک کرچکے ہیں، فاقے کرتے ہیں اور مصائب میں گھرے رہتے ہیں، باباصاحب خوش ہوئے اور فرمایا الحمد للہ اس کی اچھی گذر رہی ہے۔

سن وصال ۶۷۰ھ ہے، مزار مبارک قصبہ ہانسی میں ایک گنبد کے اندر ہے۔

یہ موئے مبارک حضرت قطب جمال ہانسوی کے خاندان میں منتقل ہوتے ہوئے آپ کے پرپوتے حضرت شیخ نورالدین نورجہاں کے صاجزادہ حضرت صوفی ضیاء الدین چنڈھوسی سہروردی قدس سرہ کو پہنچے۔

حضرت صوفی ضیاء الدین اپنے خاندان سے فیض نہیں پاسکے، پیر کی جستجو کرتے ہوئے بہار میں حضرت مخدوم الملک قدس سرہ کی خدمت میں پہنچے، حضرت مخدوم نے آپ کو حضرت مخدوم حسین غریب دھکڑ پوش سہروردی قدس سرہٗ کی خدمت میں مہسی بھیج دیا۔ چنانچہ بیعت وتعلیم واجازت وخلافت پائی اور مرشد کے حکم سے بہار تشریف لائے، اور موضع چنڈھوس ضلع پٹنہ میں اقامت اختیار کی، کچھ دنوں کے بعد طریقۂ چشتیہ کے اکتساب کا شوق ہوا تو حضرت مخدوم تیم اللہ سپید باز چشتی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سلسلۂ چشتیہ کا اکتساب کر کے خرقۂ چشتیہ پہنا اور پھر چنڈھوس واپس آئے، سال وفات ۸۲۸ھ ہے۔

حضرت صوفی ضیاء الدین چنڈھوسی نے اپنا خاندانی موئے مبارک اپنے مرشد حضرت مخدوم تیم اللہ سپید باز قدس سرہ کو نذر کردیا۔

حضرت مخدوم تیم اللہ کے جد اعلی سید جلال الدین چشتی قدس سرہ مشہد مقدس سے لاہور تشریف لائے تھے، ان کو حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ سے بیعت واجازت تھی، ان کے صاجزادہ سید ابراھیم چشتی جو اپنے والد کے مرید وخلیفہ تھے، صوبہ بہار میں بغرض رشد وہدایت خلق تشریف لائے اور حاجی پور (شمالی بہار) میں اقامت اختیار فرمائی، سید ابراھیم چشتی

کے صاحبزادہ مخدوم آدم صوفی، صوبہ بہار کے مشہور بزرگ ہیں جٹھلی میں ان کا مقبرہ پکی درگاہ سے معروف ہے، اسی کے قریب حضرت شہاب الدین پیر جگجوت قدس سرہ کا آستانہ ہے جو کچی درگاہ کہلاتا ہے، مخدوم آدم صوفی قدس سرہ اپنے والد کے مرید ومجاز تھے مگر مخدوم شہاب الدین پیر جگجوت سے بھی استفادہ کیا تھا اور خرقہ کبرویہ حاصل کیا، حضرت مخدوم تیم اللہ سپید باز حضرت شہاب الدین پیر جگجوت کے نواسے اور مخدوم آدم صوفی کے پوتے ہیں۔

مخدوم تیم اللہ سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد مخدوم حمید الدین کے مرید وخلیفہ تھے اور حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے خرقۂ خلافت لیا تھا، سلسلہ چشتیہ کی دوسری اجازت حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے پائی تھی، مخدوم تیم اللہ قدس سرہ کا وصال ۷۹۰ھ میں ہوا، آپ کے تین خلفاء مشہور ہوئے، آپ کے صاحبزادہ مخدوم شاہ فیض اللہ، مخدوم شمس الدین عرف سمن ارولی، حضرت صوفی ضیاء الدین چنڈھوسی قدست اسرارھم۔

حضرت مخدوم تیم اللہ سپید باز قدس سرہٗ نے وہ موئے مبارک اپنے مرید وخلیفہ حضرت مخدوم سمن چشتی ارولی قدس سرہٗ کو عنایت فرمایا جو کنتور کے سادات سے تھے، آپ کا خاندان کنتور سے آکر ارول میں آباد ہوا، طلب حق میں بہار تشریف لائے اور حضرت مخدوم تیم اللہ سپید باز سے بیعت کی، اکتساب طریقت کے بعد اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہے اس لئے کہ آپ نے شادی نہیں کی تجرد کی زندگی گذاری، صاحبان ارول آپ کے حقیقی بھائی مخدوم خلیل الدین کی اولاد میں ہیں۔

مخدوم سمن کے بعد ان کے جانشین میر سید حسین چشتی ہوئے، ان کی اولاد میں سجادہ نشینی کا سلسلہ اب تک باقی ہے، مخدوم سمن کی وفات ۸۵۰ھ میں ہوئی، مزار ارول میں ممتاز ومعروف ہے۔

مخدوم صاحب کے بھائی مخدوم خلیل الدین کی اولاد ارول میں آباد ہوئی اور کھیرا، سہار، پلاسی، دیورہ وغیرہ کے لوگوں کو ان کی جزئیت پہنچتی ہے۔

یہ موئے مبارک، بہت محترم ہاتھوں اور عالی نسب خاندانوں سے ہوتے ہوئے، ارول کے اس بزرگ خانوادے میں پہنچے حضرت مخدوم سمن کو ان کے مرشد مخدوم تیم اللہ نے عنایت فرمایا تھا، مخدوم سمن کے بعد تین سو سال تک یہ موئے مبارک اس خاندان میں محفوظ رہے، موروثی طور پر یہ موئے مبارک مخدوم خلیل الدین کی ان اولاد کے پاس رہے، جو سہار میں آباد ہوئی تھی، یہ لوگ چونکہ ارول کے ہی باشندے تھے اس لئے قدیم تذکروں میں ارول کا ذکر ہے۔

صاحب تذکرۃ الکرام رقم طراز ہیں :

''در موضع ارول سیدے بود کریم الطرفین از آباء واجداد نسلاً بعد نسل موئے مبارک رسول کریم ﷺ وموئے مبارک زلف مشکین سیدنا امام ہمام حسن مجتبیٰ علیہ السلام تبرک می داشت''۔

ترجمہ : موضع اروِل میں ایک نجیب الطرفین سید تھے، ان کے یہاں آنحضرت ﷺ اور حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے موئے مبارک ان کے آباء واجداد کے زمانے سے تبرکاً محفوظ تھے۔

موئے مبارک کی سند، حدیث کی سند کی طرح محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی، اس لئے جہاں کہیں موئے مبارک موجود ہیں ان کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کن لوگوں سے ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے لیکن متصل اور مسلسل سند کا موجود نہ ہونا موئے مبارک کے عدم صحت کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام میں موئے مبارک کی تقسیم کا ثبوت صحیح احادیث میں موجود ہے، دیکھئے :صحیح بخاری کتاب الوضوء باب الماء الذی یغسل من شعرالانسان ۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد : ۳ ۔نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض، فصل فی عادۃ الصحابۃ لتعظیمہ و توقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ مدینہ منورہ اور دیگر شہروں میں صحابہ کرام کے پاس موئے مبارک کی موجودگی بھی ثابت ہے، دیکھئے صحیح بخاری کتاب اللباس باب مایذکرۃ فی الشیب — حضرت ام سلمہ، حضرت انس اور ان کی والدہ ام سلیم اور حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہم کے پاس موئے مبارک محفوظ تھے، اور وہ لوگ موئے مبارک سے استفادہ بھی کرتے تھے۔ دیکھئے : صحیح بخاری، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، و باب مایذکرہ الشیب ۔شمائل ترمذی ۔ بیہقی ۔ مواہب اللدنیہ ۔مسند امام احمد بن حنبل ۔نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض وغیرہ۔

حضرت تاج العارفین کو جو موئے مبارک حاصل ہوئے ان کا یمن سے پھلواری آنا ثابت ہے، اس وقت سے لے کر اب تک اس موئے مبارک کو ہندوستان میں ۷۴۷ سال کا عرصہ گذر چکا ہے اور کما حقہ اس کی حفاظت اور عظمت و احترام تا حال باقی ہے فالحمدللہ علی ذالك ۔

حضرت تاج العارفین کے پاس موئے مبارک پہنچنے کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ سہار میں جن بزرگ کے پاس موئے مبارک تھے ان کی رحلت ہوگئی، ان کے صاحبزادوں میں جب متروکات تقسیم ہونے لگے تو ایک صاحبزادے نے موئے مبارک کی تقسیم کا بھی مطالبہ کیا، تذکرۃ الکرام کی روایت کے مطابق ورثا میں تین صاحبزادے تھے، دو بھائیوں نے اس کی مخالفت کی اور موئے مبارک کو تراش کر تقسیم کرنا سوء ادب سمجھا لیکن تیسرے بھائی نے ان کی بات نہین مانی اور قینچی سے تین ٹکڑے کر دیے :

واز مقراض سہ پارہ کردہ باخود ہا تقسیم کردند۔

ترجمہ : قینچی سے اس کے تین ٹکڑے کر کے آپس میں تقسیم کر لیا — (تذکرۃ الکرام، صفحہ: ۱۶۵، تیسرے ٹکڑے کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کیا ہوا تذکرۃ الکرام میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے)۔

اس واقعہ کے بعد ان دو بھائیوں کو جنہوں نے موئے مبارک میں قینچی لگانے سے روکا تھا، احساس ہوا کہ ان سے

بڑی غلطی ہوئی اور اب وہ لوگ اس متبرک آثار کو رکھنے کے اہل نہیں ہیں، آثارات پھلواری کے بیان کے مطابق بڑے بھائی سیدغلام رسول سہاروی دوسرے دن خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، ارشاد ہوا تم لوگ اس کے رکھنے کے اہل نہیں ہو اور کما حقہ اس کا ادب نہیں کر سکتے، اس کو شاہ مجیب اللہ پھلواری کے حوالے کردو۔

سیدغلام رسول خواب سے بیدار ہوئے اور دو دن کی مسافت پیدل طے کر کے، بعد نماز مغرب پھلواری خانقاہ پہنچے، واقعہ بیان کیا اور اپنے حصے کا موئے مبارک آپ کو پیش کیا اور خود حضرت کے ہاتھ پر بیعت کر کے داخل سلسلہ ہوئے، یہ ۱۱۵۱ھ کا سال تھا۔

سیدغلام رسول کے دوسرے بھائی سیدغلام غوث کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اپنا حصہ اپنے بھائی سیدغلام رسول کے ذریعے آپ کی خدمت میں بھیج دیا، اس طرح زلف نبوی کے دوتار ''حق بحقدار رسید'' کے مصداق طالب صادق اور بارگاہ رسالت کے ادب شناس کے پاس پہنچ گئے، صاحب تذکرۃ الکرام لکھتے ہیں :

دو برادر مرۃ بعد اخری نصیب خود را نزد آنحضرت رسانید ند کہ از ما پاس آداب وے دشوار است، قابلیت آں نداریم ہماں بہ کہ ایں دولت بے بدل ہمیں جا باشد۔

ترجمہ : دونوں بھائیوں نے اپنے حصے کے موئے مبارک حضرت کی خدمت میں پہنچا دئے کہ ہم لوگوں سے اس کا ادب دشوار ہے، ہم اس کی اہلیت نہیں رکھتے بہتر ہے کہ یہ دولت بے بدل اسی جگہ (پھلواری میں) رہے۔

سیدغلام غوث نے بعد میں تصدیق کے لئے حضرت تاج العارفین کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا، اس کو حضرت نے ''فضل النبی'' میں ذکر کیا ہے :

سیدغلام غوث سہاری آمدہ گفتند کہ موئے مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، شخصے بہ بزرگان مرا از یمن آوردہ دادہ بود در دالان داشتیم، شب دیدم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایں جا تشریف دارند آں موئے حوالہ غلام رسول کردہ ام کہ بخدمت شما گذرانند، رسید یا نہ۔

ترجمہ : سیدغلام غوث سہاری نے آکر کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک ہمارے بزرگوں کو ایک شخص نے یمن سے لاکر دیا تھا، وہ دالان میں رکھے ہوئے تھے، ایک شب میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس جگہ تشریف فرما دیکھا، وہ موئے مبارک میں نے غلام رسول کے حوالے کیا ہے کہ آپ کی خدمت میں پیش کردیں، وہ آپ کو پہنچے یا نہیں؟

موئے مبارک کی آمد سے قبل آپ کے بعض ممتاز خلفاء کو بذریعہ خواب اس کی اطلاع بھی دی گئی، چنانچہ کتاب فضل النبی میں آپ نے ان واقعات کو بطور یادداشت درج فرمایا ہے۔

آپ کے مرید وخلیفہ حضرت شاہ جمال محمد عرف شاہ جمن قدس سرہٗ نے موئے مبارک کی آمد سے چار سال قبل

جمادی الثانی ۱۱۴۷ھ میں خواب دیکھا کہ حضرت تاج العارفین کوکسی نے دوموئے مبارک لاکر دیئے اسی طرح آپ کے دوسرے خلیفہ حضرت شاہ عصمت اللہ قدس سرہ نے موئے مبارک کی آمد سے ایک دن قبل خواب دیکھا کہ زیرعرش ایک نورانی اور دلکشا مکان ہے، وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماہیں۔آپ کے سامنے چاندی کی ایک ڈبیہ رکھی ہے، اس میں شیشے کے قلم ہیں اس میں موئے مبارک رکھے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس کی زیارت کرائی، زیارت کرانے کے بعد حضرت تاج العارفین کے حوالے فرمایا جو اس محفل میں موجود تھے۔

موئے مبارک کی تشریف آوری کے بعد بھی منامی بشارتوں کا سلسلہ جاری رہا، جس شب موئے مبارک کی آمد ہوئی، آپ کے ایک صاحب حضوری خلیفہ حضرت لعل محمد قدس سرہ خانقاہ میں مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے گھر گئے، عشاء کی نماز میں نہ آسکے، ان کے جانے کے بعد ہی سید غلام رسول سہاروی موئے مبارک لے کر پہنچے، شاہ لعل محمد کو اس کی خبر نہ ہوسکی، اسی شب ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور ارشاد ہوا۔''فردا کہ بر شیخ خود روی باادب تمام روی و باادب آئی''۔کل تم جب اپنے شیخ کے پاس جاؤ تو پورے ادب کے ساتھ جاؤ اور ادب سے ملو۔شاہ لعل محمد کو اس خواب سے بڑا تردد ہوا کہ نہ معلوم کون سی بے ادبی سرزد ہوگئی ہے کہ ایسی بات کہی گئی، بڑے اضطراب میں رات گذاری، صبح صبح پریشان حال خدمت میں پہنچے اور خواب بیان کر کے عرض کیا کہ حضور اس خواب کی تعبیر بیان فرمائیں تاکہ اپنی غلطی و بے ادبی کی تلافی کروں، حضرت تاج العارفین نے ایک تبسم کے ساتھ فرمایا کہ تمہارے جانے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ کی یہاں آمد ہوئی، پھر آپ نے موئے مبارک سے متعلق تفصیلات بیان فرمائیں اور فرمایا کہ خواب میں تم کو ادب کا جو حکم دیا گیا ہے وہ دراصل موئے مبارک کے ادب کی طرف اشارہ ہے۔

پھلواری کے بعض عارفین و صالحین کو رویائے صادقہ درحقیقت موئے مبارک کے صحت کی تصدیق کے طور پر دکھائے گئے، پھر مزید تصدیق کے لئے حضرت شاہ لعل محمد کو بارگاہ رسالت سے معلوم ہوا کہ یہ موئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور سر مبارک کے پچھلے حصے کے ہیں۔حضرت تاج العارفین نے اپنی یادداشت میں اس کو تحریر فرمایا ہے:

> ۱۱۶۶ھ لعل محمد عرض نمودند کہ آں موئے حضرت است صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت رسول کریم ﷺ فرمودند کے موئے ہمیں جا است اشارت بجانب پس سر قریب بنا گوش کردہ شد کہ موئے ہمیں جا است۔

ترجمہ: ۱۱۶۶ھ لعل محمد نے عرض کیا کہ یہ موئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اس جگہ کے ہیں، سر کے پیچھے کان کی جانب اشارہ فرمایا کہ ادھر کے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کے ساتھ سیدنا امام حسن علی جدہ وعلیہ السلام کے موئے شریف بھی آپ کو ملے، دونوں کے متعلق اپنی یادداشت میں مزید تحریر فرمایا:

محمد کریم رامعلوم شدکہ میر محمد شفیع کہ گیسوئے امام حسن علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بغلام (یعنی حضرت تاج العارفین) فرستادہ اند صحیح است وآں عزیز یعنی میر محمد شفیع صحیح النسب است۔ونیز شاہ عصمت اللہ دیدندکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمودندکہ موئے گیسو صحیح است شک نیست وشبے دیگر عصمت اللہ رامعلوم شدکہ دیگر موئے گیسوئے امام حسن علیہ السلام است۔

ترجمہ : محمد کریم کو معلوم ومکشوف ہوا کہ میر محمد شفیع نے جو موئے گیسوئے امام حسن علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام،غلام کو لاکر دیے ہیں، صحیح ہے اور وہ عزیز میر محمد شفیع صحیح النسب ہیں۔شاہ عصمت اللہ نے بھی دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ موئے گیسو صحیح ہے،اس میں کوئی شک نہیں،دوسری شب عصمت اللہ کو معلوم ومکشوف ہوا کہ دوسرا موئے گیسو امام حسن علیہ السلام کا ہے۔

موئے مبارک کی پھلواری آمد اتنی اہم تھی کہ اس کا بڑا چرچا ہوا اور یہ خبر اس وقت پٹنہ کے مشائخ تک پہنچی، انہوں نے بھی اس کی تصدیق وتصویب فرمائی،صاحب تذکرۃالکرام لکھتے ہیں”وہم اکثر سالکین ومجاذیب شہر عظیم آباد رابر صحت وے اعتماد بود“شہر عظیم آباد کے اکثر سالکین ومجاذیب کو بھی اس کی صحت پر اعتماد تھا۔صاحب تذکرۃالکرام نے ان سالکوں اور مجذوبوں کے ناموں کی صراحت نہیں کی ہے،آثارات پھلواری میں لکھا ہے کہ :

> حضرت مخدوم منعم پاک عظیم آبادی کے ایک ممتاز خلیفہ نے آپ سے دریافت کیا کہ جناب شاہ مجیب اللہ صاحب پھلواری کے یہاں جو موئے مبارک ہیں اور جس کی وہ زیارت کراتے ہیں،اس کی سند کیا ہے؟اس دن تو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا،دوسرے دن فرمایا کہ کل مجھ سے موئے مبارک کی صحت کے متعلق تم نے سوال کیا تھا؟وہ موئے مبارک صحیح ہیں،رات مجھ کو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی صحت کی تصدیق ہوگئی،جس کا دل چاہے اس کی زیارت سے بہرہ اندوز ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار بالاتفاق علمائے حق کے نزدیک باعث خیر وبرکت ہیں،آپ کی ذات اقدس سے جن چیزوں کو نسبت ہوتی تھی،صحابہ کرام اس کو اپنے لئے خیر وبرکت کا ذریعہ سمجھتے تھے،اور اس کی جان سے بڑھ کر حفاظت کرتے تھے،خواہ وہ آپ کے موئے مبارک ہوں یا ملبوسات ہوں،معمولی چیزیں بھی آپ سے نسبت کی بناء پر صحابہ کے لئے قابل احترام ہوتی تھیں،اس سلسلے میں روایتیں بکثرت ہیں،علمائے اہلسنت ان روایتوں سے آثار صالحین سے حصول برکت کے جواز پر بھی استدلال کرتے ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ نے حلق کرایا تو صحیح مسلم کی روایت کے مطابق،حجام حلق کرتا جاتا تھا اور صحابہ کرام اوپر ہی اوپر موئے مبارک کو اچک لینا چاہتے تھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے چند موئے گیسو حفاظت سے رکھے تھے،جب کوئی بیمار ہوتا تو ایک برتن میں

پانی بھر کر ان کے پاس بھیجد یتا اور وہ اس میں موئے مبارک کو دھو کر پانی واپس کر دیتی تھیں، لوگ اس کو بہ نیت شفا پی لیتے یا اس سے غسل کر لیتے ۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جبّہ محفوظ تھا جب ان کا انتقال ہوا تو جبۂ مبارک کو حضرت اسماء نے لے لیا ان کے خاندان میں جب کوئی بیمار پڑتا تو حصول شفا کے خیال سے اس کو دھو کر مریض کو پانی پلاتی تھیں ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت انس کے گھر تشریف لاتے تو ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ کے پسینے کے قطرات کو جو چمڑے کے بستر پر جمع ہو جاتے تھے، شیشی میں بھرتی تھیں اور اپنے عطر میں ملا دیا کرتی تھیں، حضرت انس نے اپنے انتقال کے وقت وصیت کی تھی کہ یہ خوشبو میرے حنوط میں شامل کی جائے ۔

جو چیز ایک بار بھی آپ کے دست مبارک سے مس ہو جاتی تھی صحابہ کو دل و جان سے عزیز ہوتی تھی، حضرت ابومحذورہ کی پیشانی پر ایک بار آپ نے محبت سے ہاتھ پھیرا، حضرت ابومحذورہ کو صرف آپ کے دست مبارک پھیر دینے کی وجہ سے سر کے آگے کے بال اتنے عزیز ہو گئے کہ عمر بھر انھوں نے اپنے ان بالوں کو نہیں کٹوایا، حالانکہ وہ بڑھ کر بدنما معلوم ہونے لگے تھے لیکن دست رسول کے لمس نے ان بالوں کو یادگار بنا دیا تھا ـــ (ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان)

اہل محبت کا عجیب حال ہوتا ہے، حضرت ابومحذورہ تو خیر صحابی ہی تھے لیکن اسی طرح کا واقعہ حضرت تاج العارفین کے پر پوتے حضرت مولانا شاہ آل احمد محدث مہاجر مدنی قدس سرہٗ کے ساتھ خواب میں اس وقت پیش آیا جب ان کو حدیث کی تعلیم لینے کے لئے ان کے برادر عم زاد اور سجادہ نشین خانقاہ حضرت مولانا شاہ علی حبیب نصر قدس سرہٗ نے پھلواری طلب کیا تھا اور وہ مدینہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اس موقع پر خواب میں ان کو شرف زیارت حاصل ہوا اور ان کو حکم ملا کہ وہ پھلواری ضرور جائیں اور حدیث کی تعلیم دیں انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ڈرتا ہوں کہ وہیں پیوند خاک نہ ہو جاؤں، ان کی پیشانی پر شفقت سے دست مبارک رکھ کر ارشاد فرمایا: تمہاری موت مدینہ ہی میں ہوگی تم یہاں واپس آؤ گے مولانا پھلواری میں تین سال مقیم رہے، ان کے اگلے سر کے بال بہت بڑے بڑے ہو گئے تھے، اس کو وہ ٹوپی میں چھپانے کی کوشش کرتے تھے، سر کے دوسرے حصے کے بال چھوٹے کراتے تھے اور اس حصے کو ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے، کسی نے ان سے بے ترتیب بالوں کی وجہ پوچھ لی تو رونے لگے کہ میں ان بالوں کو کیسے اپنے سر سے الگ کروں جس کو رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک نے چھوا ہو۔

حضرت انس کی روایت ہے کہ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے گھر میں پانی سے بھری چمڑے کی مشک لٹکی ہوئی تھی، آپ کو پیاس معلوم ہوئی تو آپ نے اس کی ٹونٹی سے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا، حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب آپ تشریف لے گئے تو ہماری والدہ ام سلیم اٹھیں اور مشک کا وہ حصہ جہاں رسول اللہ ﷺ نے منہ لگایا تھا کاٹ کر رکھ لیا، وہ ہمارے پاس موجود ہے ۔

اس طرح کے واقعات سے احادیث وسیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اس موضوع پر حضرت اقدس فیاض المسلمین مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادری قدس سرہ کی تصنیف ''لمعات بدریہ'' حصہ اول بہت مدلل اور مفصل ہے، اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

یہ سارے واقعات ختمی مرتبت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت وعقیدت اور ادب واحترام کی دلیل ہیں جب کسی کی محبت دل میں گھر کر جاتی ہے تو یہی حال ہوتا ہے، محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز محبوب ہو کر لعل وگہر سے زیادہ قیمتی ہو جاتی ہے اللھم ارزقنا ھذہ المحبۃ۔

پھلواری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کا جب ورود مسعود ہوا تو اس کی برکتیں بھی ظاہر ہونے لگیں اور اس ضمن میں بارگاہ رسالت پناہ سے یہ افاضہ ہوا :

ہر کسے کہ در ماہ ربیع الاول باعتقاد زیارت کرد اگر مومن است کفارہ ذنوب او خواہد شد و اگر کافر است ایمان نصیب وی شود۔

ترجمہ : جس شخص نے ماہ ربیع الاول میں عقیدت کے ساتھ زیارت کی اگر مومن ہے تو زیارت اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگی اور اگر کافر ہے تو اس کو ایمان نصیب ہوگا۔

حضرت تاج العارفین نے خود اپنی یادداشت میں زیادہ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے :

دہم ماہ ربیع الاول ۱۱۷۵ھ میر عصمت اللہ را ملازمت شفیع المذنبین زیر عرش میسر شد، دیدند کہ پیش آنحضرت بستہ موئے مبارک نہادہ است، پس فرمود صلی اللہ علیہ وسلم ہر کہ بتاریخ دواز دہم ربیع الاول ایں موئے مرا زیارت کند کہ دریں بستہ است و ناظر شود برآں، ناجی شود بلا حساب، اگر کافرے گردد یا مشرکے باشد او را ایمان نصیب شود الحمد للہ علیٰ ذلک۔

ترجمہ : دہم ماہ ربیع الاول ۱۱۷۵ھ میر عصمت اللہ کو زیر عرش حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رسائی نصیب ہوئی، انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بستہ موئے مبارک رکھا ہے، آپ نے فرمایا کہ بارہویں ربیع الاول کو اس بستہ میں رکھے ہوئے میرے موئے زلف کی جس نے زیارت کی آنکھوں سے دیکھا، وہ بلا حساب نجات پائے گا اگر کافر یا مشرک ہوگا تو اس کو ایمان نصیب ہوگا الحمد للہ علی ذلک۔

اس بشارت عظمیٰ کے اثرات پر صاحب تذکرۃ الکرام کی شہادت ملاحظہ فرمائیے :

اس کمینہ بارگاہ غوثیہ کا مشاہدہ ہے کہ تقریباً بیس کافروں کو ماہ ربیع الاول میں زیارت کی برکت سے ایمان کی دولت نصیب ہوئی، حالانکہ اس سے پہلے ان کو اسلام وایمان کا کوئی شعور نہ تھا۔

موئے مبارک کی آمد کے بعد ایک عرصے تک اس کی عام زیارت نہیں کرائی گئی، ۱۱۵۱ھ میں موئے مقدس کی آمد ہوئی، ماہ وتاریخ کا اندراج کہیں نہیں ملا ہم کو ۱۱۵۱ھ سے ۱۱۶۶ھ تک قرینہ ہے کہ زیارت کا سلسلہ شروع نہیں کیا گیا، کیونکہ ۱۱۶۶ھ میں شاہ لعل محمد کو بارگاہ نبوی سے اس کی صحت کی تصدیق ہوئی اور یہ بھی بتایا گیا کہ یہ سر مبارک کے کس حصے کے

ہیں،۱۱۷۵ھ میں شاہ عصمت اللہ صاحب نے خواب دیکھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کے فوائد و برکات بیان فرمائے شاہ عصمت اللہ صاحب کا یہ خواب دس ربیع الاول کا ہے، اس میں خصوصیت کے ساتھ بارہ ربیع الاول شریف کو زیارت کے فوائد بیان ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ زیارت کی ابتداء ہو چکی تھی، پھر یہ کہ بستہ موئے مبارک محفل میں لے کر آنے اور واپس لے جا کر رکھنے کی خدمت حضرت تاج العارفین کے پوتے حضرت مولانا شاہ نورالحق تپاںؔ قدس سرہ کے ذمہ تھی، یہ روایت شیخ طالب علی جامع ملفوظات مخدوم شاہ نعمت اللہ کی ہے جبکہ حضرت تپاںؔ کی ولادت ۱۱۵۶ھ کی ہے، ان کی پیدائش سے پانچ سال قبل موئے مبارک کی آمد ہو چکی تھی، ۱۱۷۳ھ میں وہ خانقاہ عمادیہ قلندریہ کے سجادہ نشین ہوئے، وہ اپنے جد مکرم کے تربیت یافتہ اور خلیفہ ومجاز تھے، چونکہ نوعمری سے ہی ان کی علمی وعرفانی صلاحیتیں نمایاں تھیں اس لئے حضرت تاج العارفین نے جب باقاعدہ زیارت عام کا سلسلہ شروع کیا تو حضرت تپاں کو بستہ موئے مبارک اٹھانے کی خدمت تفویض کی ہوگی، اس وقت تک وہ نوجوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اور اس خدمت کی انجام دہی کے اہل ہو گئے تھے، اس لئے قرینہ غالب یہی ہے کہ ۱۱۶۶ھ کے بعد ہی زیارت کی ابتداء تسلیم کی جائے، مذکورہ قرائن کے مطابق ۱۱۶۶ھ سے قبل زیارت شروع نہیں کی گئی یا زیارت عام کی صورت نہ ہو مخصوص طریقے پر اہل خانقاہ کر لیتے ہوں۔

ایک طویل عرصے تک موئے مبارک کی زیارت نہ کرانا اور اس کو رکھے رہنا بظاہر حیرت کی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حضرت تاج العارفین قدس سرہ کے حزم واحتیاط اور خشیت وتقویٰ کے اعتبار سے یہ بڑی بات تھی کہ کسی آثار کو بلاتحقیق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے منسوب کیا جائے اور عام طور پر لوگوں کو دکھایا جائے۔ یقیناً یہ حدیث آپ کے پیش نظر ہوگی من كذب علی متعمدا فليتبوأ مقعده من النار، جس نے میری طرف دانستہ جھوٹ منسوب کیا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے، یہ حدیث الفاظ کے فرق سے متعدد طریقے سے مروی ہے، اور بالعموم موضوع احادیث کی روایت کرنے کی قباحت میں محدثین کے پیش نظر رہتی ہے، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی چیز کو غلط منسوب کرنا اسی وعید کے تحت آئے گا، اسی احتیاط کے خیال سے حضرت تاج العارفین نے موئے مبارک کی زیارت کرانے میں تاخیر فرمائی جب تک مختلف ذرائع سے صحت کی تصدیق نہ ہوگئی، اکابر پھلواری کی زبانی یہ روایت بھی سنی جاتی رہی ہے کہ حضرت تاج العارفین نے حضرت مولانا سید محمد وارث رسولنما بنارسی کو بھی اس کی اطلاع دی تھی، وہاں سے اس مقدس آثار کی آمد پر مسرت کا اظہار کیا گیا اور عین ممکن ہے کہ صحت کی تصدیق بھی کی گئی ہو۔

تصدیقات کا سلسلہ تمام ہونے اور صحت کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد حضرت کو زیارت موئے مبارک کے لئے وقت وتاریخ کے تعین کی فکر ہوئی، کیونکہ عام استفادے کے لئے وقت وتاریخ کا تعین ضروری تھا، حضرت تاج العارفین کا معمول تھا کہ کوئی کام کرنے سے پہلے بزرگوں کی روحانیت یا مجلس شریف نبوی سے استصواب واجازت ضروری سمجھتے تھے،

چنانچہ بعض خلفاء سے فرمایا کہ زیارت کے لئے وقت وتاریخ معلوم کریں، بعض خلفاء کے ذریعے بارگاہ نبوی سے وقت وتاریخ کا تعین ہوا صاحب تذکرۃ الکرام لکھتے ہیں :

چوں رجوع بہ بارگاہ رسالت کردند، حکم عالی بداں نفاذ یافت کہ یازدہم ہرماہ، وبہ مجبوری دوازدہم، امادرماہ ربیع الاول دوازدہم، وقت بعد نماز ظہر لازم گیرند۔

ترجمہ : بعض خلفاء نے جب بارگاہ رسالت سے رجوع کیا تو حکم عالی یہ نافذ ہوا کہ ہرماہ کی گیارہویں تاریخ زیارت ہو، مجبوری کی حالت میں بارہویں تاریخ کو، ربیع الاول میں بارہ تاریخ کو زیارت ہو، زیارت کے لئے (ہمیشہ) بعد نماز ظہر وقت زیارت کی پابندی کی جائے۔

ہرماہ میں یہی دو تاریخیں زیارت کے لئے مخصوص ہیں بحساب رویت ہلال، ان دونوں تاریخوں میں اگر کسی سبب زیارت نہ کرائی جاسکے تو پھر اگلے ماہ کی انہی تاریخوں میں ہوگی، درمیان کی کسی تاریخ کو نہیں ہوسکتی، پونے تین سو سال سے تاریخ ووقت کا تعین بالالتزام جاری ہے، جو اس نفسانفسی کے دور میں بجائے خود ایک کرامت سے کم نہیں، درحقیقت یہ آثار رسول کا ہی اعجاز ہے، اس طویل عرصے میں تادم تحریر زیارت کی خدمت کرنے والے بھی ہر دور میں وقت متعینہ پر حاضر خدمت ہوتے رہے ہیں اسمیں کبھی کوتاہی نہیں کی، ۱۲۴۷ھ میں شیخ العلمین مخدوم شاہ نعمت اللہ قدس سرہ کی رحلت کے سال ان کی شدید علالت کی بناء پر گیارہ شعبان کو زیارت موئے مبارک نہیں کرائی جاسکی بارہ شعبان کو بھی حضرت کی علالت کا وہی حال تھا، خدام و اہل خانقاہ بدحواس ہورہے تھے، حضرت نے خود باصرار فرمایا کہ آج آثار شریف کی زیارت ہونی چاہئے، آج نہ ہوئی تو کب ہوگی؟ چنانچہ ۱۲ شعبان کو زیارت ہوئی اور حضرت نے بمشکل تمام شرکت فرمائی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیارت موئے مبارک کے ذکر میں اس دور کے معروف عالم اور صاحب دل اہل قلم حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ کے تاثرات نقل کردیے جائیں، مولانا نے پھلواری شریف میں موئے مبارک کی زیارت کی تھی اور مقدمہ آثارات پھلواری میں اس پر انہوں نے بڑے وقیع الفاظ میں اپنا تاثر بیان کیا ہے، لکھتے ہیں :

''مگر باایں ہمہ جہاں تک میں جانتا ہوں، ہندوستان کی عام خانقاہوں سے الگ اس ''مجیبی خانقاہ'' میں ''بمصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست،'' کہ جوہری نقطۂ نگاہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو چیز درحقیقت ''ہمہ اوست'' ہونے کی حیثیت رکھتی ہے اور متکلمین کے مرائی و جدلی بقبقبوں یا وعاظ وقصاص کی خطابی واقناعی شقشقوں کے مقابلے میں اپنا تو خیال یہی ہے کہ بزرگان پھلواری کی یہی نکالی ہوئی راہ صحیح معنوں میں ''رہ قلندر'' کہلانے کی جائز حقدار ہے۔

اس کتاب میں موئے مبارک (علی صاحبہا افضل الصلوات والتسلیمات) کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو پڑھ جائیے، ممکن ہے رسوم کے بعض بیرونی ''قوالب'' ''مولویت'' کی پیشانی پر کچھ شکن آور بھی ہوں، مگر دین کے ''ہمہ

اوست‘‘ تک پہنچنے اور پہنچانے کی یہ کتنی مختصر راہ ہے، اس کا اندازہ کچھ تجربہ ہی سے ہوسکتا ہے اور انسانی نفسیات کی حکیمانہ بصیرت جو اپنے اندر رکھتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کتنا کارگر، مؤثر اور زود اثر نسخہ ہے :

دو عالم بہ کاکل گرفتار داری ۞ بہ ہر ’’مو‘‘ ہزاراں سیہ کار داری

شاید دوسوسال تک (بوقت تحریر) پھلواری شریف کی خانقاہ میں اسی شعر کی عملی شرح جس شان آن بان کے ساتھ ہوتی رہی ہے، دیکھنے والوں سے اس کا حال آپ پوچھ سکتے ہیں۔

لاکھوں کتابیں، ہزار ہا تقریریں اس ایمانی نتیجہ کو پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتیں جسے خانقاہ مجیبیہ کی یہی ’’رہ قلندری‘‘ پیدا کرتی رہی ہے، دوسروں کے متعلق کیا عرض کروں، اسی کتاب میں جس وقت :

ہر دو زلفش کہ مد ظلہما ۞ برسرم سایۂ حمایت اوست

کے شعر پر نگاہ پڑی اور کہاں کہاں پہنچی اسے کیا بیان کیا جائے رحم اللہ الجامی السّامی حیث قال :

صفت بادہ عشقش ز من مست مپرس ۞ ذوق ایں مئے نشناسی بخدا تانچشی

ــــ(مقدمہ آثارات پھلواری ــــ مطبوعہ ۱۹۴۷ء)

اس بات کا ذکر حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے حضرت امیر شریعت ثانی وزیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ مولانا سید شاہ محی الدین قادری قدس سرہٗ کے سانحۂ ارتحال کے موقع پر اپنے مکتوب تعزیت میں بھی ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ ’’حب نبوی کے چراغ کو اس ہندوستان میں خانقاہ مجیبیہ نے صدیوں روشن رکھا ہے خدا کرے ایمان ومعرفت کا یہ سراج وہاج آپ لوگوں کی سعی و دعا سے اور زیادہ درخشاں ونور افشاں ہو‘‘ــــ (ملاحظہ ہو حیات محی الملۃ والدین صفحہ: ۲۱۹)۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

جوامع الکلم

● حضرت مولانا شاہ عزالدین قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

نبی کریم (روحی لہ الفداء) صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی زبان مبارک سے ایسے جملے بھی نکلے ہیں، جنہیں جوامع الکلم کہا جاتا ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں اہم معجزہ ہے، آنحضرت نے خود ہی فرمایا ہے: ”بُعِثْتُ لجوامع الکلم“ دنیا کے کسی ہادی ورہبر کے کلام میں ایسے پاکیزہ پُر اثر وسیع المعنی گویا سمندر کو کوزہ میں بند کرنے والے اچھوتے بلیغ چھوٹے جملوں کا ذخیرہ موجود نہیں اور ایک دو نہیں صدہا اور ہزاروں چھوٹے جملے جن کا ہر ایک اپنی جگہ ایک وسیع نظام زندگی اور انسانی اخلاق و کردار کا روشن آفتاب اور برہان ساطع ہے۔ یہ جملے درحقیقت ایسے ہیں جن پر عام انسانی زبان کسی طرح بھی قدرت نہیں رکھتی۔ غور کرنے کی بات ہے کہ ایک مفہوم جس قدر زیادہ وسیع ہوگا اتنے ہی زیادہ الفاظ اس کے لیے ناگزیر ہوں گے۔ مگر رسول کی زبان فیض ترجمان انہیں وسیع تر بلیغ مفہوم ومراد کو کتنی آسانی کے ساتھ اور علمی صلاحیتوں کی راہ سے بہتر سے بہتر مطلب نکالتا جاتا ہے، اور پھر بھی اس کی سیری نہیں ہوتی، اور اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے ساحل کا پتہ نہیں ملتا۔ میں ذیل میں ان احادیث (جوامع الکلم) میں سے ایک معتد بہ حصہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، اور تھوڑے تھوڑے مطالب بھی بیان کرتا جاؤں گا۔

(۱) البرکۃ مع اکابر کم۔

ترجمہ : خیر وبرکت تمہارے بزرگوں کے ساتھ ہے۔

کتنا پاکیزہ جملہ ہے اور اپنے اندر کتنی گہرائی رکھتا ہے، ہر علم وادب کا طالب جب تک اپنے اکابر کے سامنے زانوئے ادب تہ نہ کرے، اسے کچھ نہیں مل سکتا اور جب تک ان کے وجود کو اپنے انتفاع کا ذریعہ نہ بنائے، وہ خود کچھ نہیں بن سکتا۔ کسی خاندان فرد و جماعت میں ان کا وجود، انمول سہارا اور بے شمار برکتوں کا موجب ہوتا ہے۔ انہیں کے چراغ سے وہ اپنا چراغ جلاتا ہے، اور انہیں کے علم وعمل کی روشنی میں وہ اپنا مستقبل روشن کرتا ہے۔ انہیں کی دی ہوئی ہدایت ان کے لیے مشعل راہ

بنتی ہے۔اورانہیں کے تجربات اسے صدہا ٹھوکروں سے بچاتے ہیں،اوران گنت زندگی کی راہیں اس کے لیے کھل جاتی ہیں۔ اوروہ خود ہی تجربہ کارہوکر کاموں کی لگام اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے،خوش قسمت گھرانے ہیں،جن میں جوانوں کی ہدایت کے لیے بزرگ موجود ہیں۔

(۲) انتظار الفرج بالصبر عبادۃ۔

ترجمہ : صبر کے ساتھ کشادگی کا انتظار بھی عبادت ہے۔

دین ودنیا کی کوئی بھلائی بھی،صبر واستقامت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔جلد باز طبیعتیں بہتیرے مقاصد میں ناکام رہی ہیں۔خدا کا وعدۂ فلاح بھی اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴿۱۵۳﴾ کے الفاظ میں ہے۔صبر وانتظار نے انسانی زندگی کے بے شمار عقدے حل کئے ہیں،اور ہمیشہ حل کرتے رہیں گے۔خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا صبر مدنی زندگی میں آکر پھلا پھولا ہے۔

اٰفۃ الحدیث الکذب۔

ترجمہ : بدترین بات جھوٹ بولنا ہے۔

جھوٹ یوں تو ایک ایسی لعنت ہے، جسے خدا نے بھی معاف نہیں کیا، اور لعنة الله علی الکاذبین کی وعید فرمائی،لیکن اس کا انجام دنیا میں بھی اسی طرح ہوتا ہے کہ جھوٹا انسان کسی کے نزدیک بھی اعتبار کے لائق نہیں ہوتا اور یہ چیز اس کی معاشرتی زندگی کے لیے ایک ایسا زہر بن جاتا ہے، جو اس کی انسانیت کو دھیرے دھیرے مسموم کرتا جاتا ہے، اور بالآخراس کی سماجی زندگی کا وجود ختم ہوجاتا ہے اور یہ اس کے لیے کتنی بڑی آفت ہے۔

(۳) اٰفۃ الحسب الفخر۔

ترجمہ : خاندانی شرافت کی خرابی فخر کرنا ہے۔

شرافت خاندانی ہو، یا ذاتی اپنی جگہ محمود ہے۔لیکن سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، خاندانی شرافت کا ڈنڈھورا پیٹنا، یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں۔خاندانی شرافتوں کے اسی چکر نے خاندان کے خاندان تباہ کردیئے،اوراللہ کی بنائی ہوئی زمین پر بسنے والوں نے ایک دوسرے کا گلا کاٹا،خون ناحق کئے، اور خاندانی عصبیت ابھری اور پھر اپنے اپنے خاندان کی دوسرے خاندانوں پر برتری میں ساری زندگیاں تباہ ہوگئیں۔ دین و دنیا کا جو کام بھی مفید تھا اور جس سے خدا اور بندوں کی خوشنودی حاصل ہوسکتی تھی،وہ کالعدم ہوگئے اور کتنے مفید کام محض اس لیے نہیں کئے گئے کہ وہ خاندانی وقار کے خلاف سمجھے گئے۔

(۴) طلب الحلال جھاد۔

ترجمہ : حلال روزی کی تلاش جہاد ہے۔

یعنی اس کا اجر ہے، اسی لیے صدہا انبیاء اور اولیاء نے کسب حلال کیا، اور چوں کہ اسلام نے کسی حلال پیشے کو معیوب نہیں بتایا ہے، اس لیے ابنیاء اور اولیاء نے حَدَّادی نَجَّاری،حلوائی وغیرہ کے پیشے مختلف اقسام کی تجارت کی ہے، اور یہ لازمی بات

تھی کہ کوئی قوم یا معاشرہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا، جب تک کہ حضارۃ وتمدن کے تمام شعبوں پر وہ حاوی نہ ہوجائے۔ بدقسمتی سے اس دور میں پیشوں کے اعتبار سے ذات کی تقسیم کی جاتی ہے، ورنہ صدر اول اور اس کے بہت بعد تک ہر قبیلہ اور گروہ نے اپنی مناسبت طبعی کے اعتبار سے صنعتیں (پیشے) اختیار کئے اور کسی نے بھی ان پیشوں کو اس قوم کی ذات نہیں قرار دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کپڑے کی تجارت کی تو وہ قریشی وتیمی ہی رہے، ان کا کوئی نیا خاندان نہیں بنا، کوئی نیا حسب ونسب نہیں پیدا ہوا، اسی طرح صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین میں لوگوں نے مختلف پیشے اختیار کئے اور فقہائے کرام نے تو حلوائی، قدوری، صفاری، حدادی، نجاری جیسے پیشے اختیار کئے، لیکن وہ ذات کے اعتبار سے حلوائی، کمہار، ٹھٹھیرے اور بڑھئی اور لوہار کبھی نہیں سمجھے گئے، بلکہ اس حدیث پر انہوں نے عمل کیا اور اسی عمل پر عنداللہ وہ ماجور ہوں گے۔

(۵) مدارۃ الناس صدقۃ۔

ترجمہ : لوگوں کی خاطر ومدارات ایک نیکی ہے۔

انسان دنیا میں اگر چین کی زندگی گذارنا چاہتا ہے تو اسے لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنی چاہئے۔ بھلائی کبھی ضائع نہیں جاتی، اکثر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں سے شدید دشمنی اور اختلاف رہا ہے، یا کسی ایک جانب سے اگر ہمیشہ نیکی کی گئی ہے تو اس نیکی کا اثر ضرور ہوا ہے اور اگر وہ دشمنی دل سے نہیں نکلی ہے، تو کم ازکم اس کی شدت میں بڑی حد تک کمی واقع ہوگئی ہے اور بسا اوقات ختم بھی ہوگئی ہے، یہ کام بجائے خود ایک نیکی ہے، جس کا پھل وہ دنیا میں بھی لیتا ہے۔ اور آخرت میں تو یقینی اس کا اجر وثواب مل ہی جائے گا، حافظ شیرازی کا یہ شعر :

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است ۞ بادوستان تلطف بادشمنان مدارا

اس کی کتنی واضح نشان دہی کررہا ہے۔

دعوۃ المظلوم مستجابۃ و ان کان فاجراً ففجورہ علی نفسہ۔

ترجمہ : مظلوم کی فریاد خدا کے نزدیک مقبول ہے، اگر بدکار ہے تو اس کی بدکاری کا اثر اس کی ذات پر ہوگا۔

کتنی واضح اور کھلی بات ہے کہ انسان نیک ہو یا بد اگر کسی دوسرے انسان نے اس پر ظلم کیا تو وہ مظلوم ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کی فریاد کو بھی اسی طرح سنے گا جس طرح کسی نیکوکار کی، اور اس کی پکار بھی اسی طرح بااثر ہوگی، جس طرح نیکوکار کی اور کوئی بظاہر نیک کار اگر کسی فاسق پر ظلم کرے گا تو اس سے بھی مواخذہ ہوگا۔ اور عین ممکن ہے کہ وہ مورد عتاب الٰہی ہوجائے۔ باقی رہا اس کا فسق تو وہ اس کا ذاتی معاملہ ہے، اس کے اور خدا کے درمیان، اس لیے کوئی فاسق اپنے فسق کی وجہ سے ظلم کئے جانے کا ہرگز مستحق نہیں ہے۔ اس حدیث نے عام انسانوں کے لیے پوری شدت کے ساتھ ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی راہ بند کردی اور کونوا عباداللہ اخوانا کالازوال سبق دیا۔

(۶) الذھد فی الدنیا یریح القلب والبدن۔

ترجمہ : دنیا میں زہد اختیار کرنے سے قلب وبدن کو آرام پہنچتا ہے۔

(۷) الرغبۃ فی الدنیا تکثر الھم والحزن۔

ترجمہ : دنیا کی رغبت غم وآلام کو بڑھا دیتی ہے۔

دنیا امیدوں کا ایک سبز باغ ہے۔انسان دنیا کی اس زندگی میں جانے کیا کچھ نہیں سوچتا ہے، اپنا حال اپنا مستقبل، اولاد اس کا مستقبل اس کے دینی وفکری رجحانات، پھر ذاتی خواہشوں اور امنگوں کی فراوانی لیکن ظاہر ہے کہ ہر خواہش پوری نہیں ہوتی، ہر ارادہ تکمیل کو نہیں پہنچتا، ہر فکر پروان نہیں چڑھتی، ہر رجحان کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوتا۔

ما کل ما یتمنی المراء یدرکہ تجری الریاح بما لا تشتھی السفن۔

ترجمہ : انسان اپنی ہر خواہش میں کامیاب نہیں ہوتا، اور دریائی ہوائیں کشتی کی مرضی کے خلاف بھی چلا کرتی ہیں۔

بلاشبہ ایک محدود دائرہ میں اپنا مستقبل اولاد کا مستقبل عزت نفس سعادت دنیا، یہ سب چیزیں سوچی جاسکتی ہیں اور بالطبع انسان ان کے سوچنے کے لیے مجبور بھی ہے، لیکن نہ اس حد تک کہ ماحول کے خلاف سنت اللہ اور قوانین فطرت کے خلاف صرف سوچتا چلا جائے، اور پھر ناکامیوں کا دکھ بھی سہتا چلا جائے، اسی مفہوم کو اس حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ دنیا کی رغبت غم و الم میں مبتلا کرنے کے سوا اور پھل نہیں دیتی اور دوسری حدیث " الذھد فی الدنیا الخ" میں فرمایا گیا، ضروری واجبی دنیا طلبی کرنے والا اپنے قلب وبدن کو آرام پہونچاتا ہے، کیوں کہ وہ یہ نہیں سوچتا کہ اسے بادشاہ ہونا چاہئے، یہ نہیں سوچتا کہ اسے بڑا عہدہ دار ہونا چاہئے، وہ یہ نہیں سوچتا کہ اسے دنیا پر عظیم برتری حاصل ہونی چاہئے، از یں قبیل اور بہت سی نہ پوری ہونے والی تمنائیں۔جب وہ یہ کچھ نہیں سوچتا تو ان چیزوں کے نہ حاصل ہونے کا اسے کوئی غم نہ ہوگا اور وہ راحت و اطمینان کی زندگی گذارے اور اسے تو صرف یہ سوچنا تھا کہ اسے اکل حلال ملنا چاہئے، کسی کا محتاج نہ بننا چاہئے، اس کے بچوں کو اچھی تعلیم ملنی چاہئے، اور دنیا میں نیکی وبھلائی کے ساتھ چند روزہ زندگی گذارلینی چاہئے، اور اس کے اور خالق کے درمیان عبد ومعبود کے رشتہ کو مضبوط تر ہوجانا چاہئے۔اسی حد تک دنیا اس نے طلب کی تھی، جس کا اسے شرعاً حکم تھا وہ ہر ناکامی کے غم پر نامرادی کے دکھ سے آزاد ہوگا اور زندگی مسرت وشادمانی سے ہمکنار رہے گی۔

(۸) القرآن غنیً لا فقر بعدہ ولا غنیً دونہ۔

ترجمہ : قرآن ایک ایسی دولت ہے جس کے بعد کوئی محتاجی نہیں رہتی اور نہ اس کے سوا اور کوئی دولت ہے۔

سبحان اللہ! کیسی نفیس ترین بات ہے جس انسان کے پاس قرآن جیسی بے بہا دولت ہو اسے نادار کون کہہ سکتا ہے؟ جس قرآن نے قیصر وکسریٰ کی حکومتیں اور خزانے مسلمانوں کے قدموں میں ڈال دیئے ایسا زندہ دستور حیات جس کے پاس موجود ہو جو انفرادی واجتماعی دونوں زندگیوں کا راہبر ومعلم ہو، واقعتاً کون ہے جو اس کی کھلی شہادتوں کا انکار کرسکے، کون ہے

جس نے اس سے رہنمائی مانگی ہو اور نہ ملی ہو، کون ہے وہ جس نے اپنی زندگی اس کے بتائے ہوئے سانچے میں ڈھالنی چاہی ہو اور ڈھل نہ سکی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا متعین کیا ہوا دستورِ حیات کبھی اپنے ماننے والوں کے لئے تنگ نہیں بنایا گیا اور جس نے جس شعبۂ زندگی کی تکمیل چاہی اسے مکمل بنالیا، خود قرآن نے اپنے لیے کہا :

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ۔

ترجمہ : یہ قرآن ایک جچا تلا بختہ تر کارآمد طریقہ بتاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کتنی سچی بات بتلائی تھی :

ان اللہ لیضع بہ اقواما و یرفع بہ اٰخرین۔

ترجمہ : بے شک اللہ تعالیٰ اسی قرآن کے ذریعہ لوگوں کو بلند کرتا ہے اور بہتوں کو پست کرتا ہے۔

یعنی جنہوں نے اس کی ہدایت نہیں قبول کی وہ پست ہو جاتے ہیں، اس لیے بغیر جھجھک کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ واقعی قرآن عظیم ایک ایسی دولت ہے جس کے بعد کسی نئی دولت کی مسلمان کو کوئی حاجت نہیں ہے، موجودہ مادی دنیا دولت کا جو مفہوم سمجھتی ہے وہ بھی حاصل ہوتی ہے۔ قرآن پر عمل کرنے والے کبھی رزق کے معاملہ میں پریشان و بدحال نہیں رہے۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین اور انگنت مسلمان رزق کی جانب سے مطمئن و بےفکر رہے، اور ان کی زندگیاں دنیا کی جہت سے بھی آرام و راحت میں گذریں اور آخرت تو ان کے لیے بنائی ہی گئی تھی۔

(۹) عینان لاتمسهما النار عین بکت فی جوف اللیل من خشیة اللہ وعین باتت تحرس فی سبیل اللہ۔

ترجمہ : دو آنکھیں ہیں جنہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو خوف خدا سے رات میں روتی ہو، اور دوسری وہ جو حالت جہاد میں رات بھر نگرانی کرتی رہی۔

سچ ہے گناہوں کا انفعال اپنی بندگی کے فرائض میں کوتاہی، زندگی کی ناہمواری و بے راہی کا تاثر ہی ایک ایسی نعمت ہے جو بندے کو تنہائی میں اپنے معبود کے سامنے آنسو بہانے پر مجبور کرتی ہے، اور اس کے یہ آنسو ایسے قیمتی ہوتے ہیں، جس کی قیمت کا اندازہ صرف اس کا رب ہی کرتا ہے، اور جب اس کا صحیح اندازہ کرلیتا ہے تو بشارت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ ایسی آنکھ جہنم کی آگ سے بچادی جائے گی۔ اور اسی لیے یہ قول اپنی جگہ کتنا صحیح ہے :

انکسار العاصین احب الی اللہ من صولة المطیعین۔

ترجمہ : گناہگاروں کے دل کی شکستگی اللہ تعالیٰ کو طاعت گزاروں کے ٹھسّوں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

صحابہ کے دور سے اس وقت تک تاریخ کے صفحات الٹ جائیے، آپ کو خوف خدا سے رونے والوں کی اتنی بڑی تعداد ملے گی جو شمار سے باہر ہوگی، باقی رہی وہ دوسری آنکھ جو جہاد فی سبیل اللہ کے موقع پر رات بھر نگرانی کرتی رہی، تو اس کا

مصداق اس دور میں ملنا مشکل ہے، اس لیے کہ جہاد فی سبیل اللہ اپنے اصلی مفہوم میں تقریباً مفقود ہے، یا بدرجۂ مجبوری شاید وہی مسلمان قرار دیئے جائیں، جو اپنی حکومت کے استحفاظ کے لیے اپنے سرحدوں کی حفاظت کر رہے ہوں۔ کیوں کہ ان کی بقا سے اسلام کی بقا بھی ہو سکتی ہے۔ اگر وہ چاہیں۔

(۱۰) من سرہ ان یسلم فلیلزم الصمت۔

ترجمہ: جسے سلامتی محبوب ہو اسے خاموشی کا پابند رہنا چاہئے۔

(۱۱) من کثر کلامہ کثر سقطہ۔

ترجمہ: جو زیادہ باتیں کرے گا اس کی غلطیاں بھی زیادہ ہوں گی۔

(۱۲) من کثر سقطہ کثرت ذنوبہ۔

ترجمہ: اور جس کی غلطیاں زیادہ ہوں گی، اس کے گناہ بھی زیادہ ہوں گے۔

(۱۳) من کثرت ذنوبہ کانت النار اولی بہ۔

ترجمہ: جس کے گناہ زیادہ ہوں گے اس کے لیے جہنم بھی زیادہ سزاوار ہوگی۔

فضول گوئی، بدکلامی، بے کار کی بکو اس انسان کے لیے زہر قاتل ہے، اس لیے سلامتی کا راستہ صرف یہی ہے کہ انسان بے ضرورت نہ بولے، اس کے الفاظ غلط نہ نکلیں، اس کی گفتگو بے محل نہ ہو، وہ اپنے الفاظ کے زہریلے تیر سے دلوں میں چھید نہ ڈالے، اور اگر صحیح اور بامحل بات نہ کر سکتا ہو تو خموش رہے، یہ خموشی اسے ہزاروں مصائب سے بچالے گی۔ اور اس کا بیڑا پار لگ جائے گا۔ لیکن اسے فضول گوئی کی اگر لت ہی لگ گئی ہے تو پھر اس سے لسانی غلطیاں بھی بہت سرزد ہوں گی، اور وہ غلطیاں گناہ و عصیان میں شمار ہوں گی، اور گناہ وعصیان کے بعد قانون قدرت نافذ ہو کر رہے گا، اور جہنم کے عذاب کے لیے کوئی عدم جواز کا پہلو نہیں نکل سکے گا، سوائے عفو ورحمت الٰہی کے۔ دنیا کی تاریخ ایسے صدہا واقعات سے بھری پڑی ہے کہ انسانی جسم کے اس ایک چھوٹے سے ٹکڑے نے کتنی خون ریزیاں، غارت گریاں، بربادیاں اور ان گنت مصائب کھڑے کر دیئے ہیں۔ اور انسانوں نے انسانوں کا خون پیا۔ حق قرابت سے دست بردار ہو گئے۔ ایک نے دوسرے کا جینا دشوار کر دیا۔ قوی نے ضعیف کو اس طرح کچلا کہ غریب کی ہڈیاں بھی سرمہ بن گئیں اور اسی مفہوم کو دوسری حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"وھل یکب فی النار الاحصائد السنتھم"

ترجمہ: جہنم میں چہرے کے بل گرادینے والی زبان سے نکلے ہوئے غیر شرعی کلمات ہی ہوں گے۔

لیکن اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ زبان سے نکلے ہوئے کلمات وہ بھی ہیں جو حق کی حمایت کے لیے استعمال کئے گئے ہوں گے، جو بہت تلخ ہوں گے اور وہ کلمات بھی ہوں گے جو ظالم بادشاہ کے لیے نکلیں گے۔ اور وہ کلمات بھی ہوں گے جو بسا اوقات اصلاح عقائد اور تصحیح خیال فاسد کے لیے ہوں گے۔ وہ اگرچہ تلخ ہوں لیکن باعث اجر ہوں گے جیسا کہ فرمایا گیا:

افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر۔

ترجمہ : بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

اس لیے اوپر کی حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ غیر مفید اور بے ضرورت باتیں جن سے دین و دنیا کسی میں بھی فائدہ نہ ہو، انسان کو اس سے بچنا چاہیے۔ ورنہ دنیا کی تاریخ میں حمایت حق کے لیے زبانیں کھولی گئی ہیں۔ حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کیا گیا ہے۔ اور حق گوا کابر امت نے اس کی دنیاوی سزائیں بھی پائی ہیں۔ صحابہ تابعین اور تبع تابعین اور ان کے بعد بھی صدہا اکابر اس حق گوئی کے لیے نت نئی تکالیف کا آماجگاہ بنے ہیں۔ کیا حضرت سعید ابن جبیر، حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے زعمائے امت کی تاریخیں ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ ابن السکیت جیسا عالم، فاضل و ابرار وقت تو محض حق گو زبان کی بدولت شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو گیا۔ ابن السکیت ایک متورع عالم اور علوم اسلامیہ کے ایک زبردست ماہر تھے، بنی العباس کے ایک خلیفہ متوکل باللہ کے دولڑکے معتضد باللہ اور موئد باللہ ان سے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ متوکل باللہ عباسیوں کا پہلا خلیفہ تھا جو خارجی عقیدے کا حامل تھا۔ ایک دن متوکل باللہ نے ان سے دریافت کیا، شیخ ابن السکیت! آپ کو میرے دونوں بچے زیادہ پسند ہیں یا حسن وحسین رضی اللہ عنہما، علامہ ابن السکیت زرپرست عالم دین نہیں تھے، یہ سنتے ہی وہ بول اٹھے تو حسن وحسین سے اپنے لڑکوں کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ میں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خادم قنبر کو تجھ سے اعلیٰ و افضل سمجھتا ہوں۔ بات بھی ایسی ہی تھی۔ اس نازیبا سوال کا یہی جواب ہو بھی سکتا ہے۔ مگر متوکل خارجی اس گستاخی کو کیوں کر برداشت کرسکتا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ ان کی زبان گدی سے نکال دی جائے۔ چنانچہ یہی ہوا اور ان کے سر کا پچھلا حصہ چیر کر ان کی زبان نکال لی گئی۔ اور اس طرح وہ شہید ہو گئے۔ رحمه الله كان عبدا صبوراً۔ اور عجب اتفاق کہ حضرت ابن السکیت اس واقعہ سے پیشتر یہ اشعار کہہ چکے تھے :

یصاب الفتی من عثرة بلسانه ۞ و لیس یصاب المرأ من عثرة الرجل

فعثرته فی القول تذهب راسه ۞ و عثرته فی الرجل تبرأ علی مهل

ترجمہ : بسا اوقات انسان اپنی زبان کی لغزش سے مصائب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور پیر کی لغزش سے بچ بھی جاتا ہے، پاؤں کی لغزش اتنی سخت نہیں جتنی زبان کی لغزش۔ یعنی پاؤں کی لغزش سے انسان دیر یا سویر اچھا بھی ہو جاتا ہے، لیکن منہ کی لغزش اتنی خطرناک ہوتی ہے کہ سر تن سے جدا ہو جاتا ہے۔ سوئے اتفاق سے ان کے یہ اشعار خود انہیں پر صادق آگئے اور اس حق گوئی نے خود ان کی جان کا سودا کرلیا۔

✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻

ساتویں قسط

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کتاب وسنت اور علمائے سلف کے اقوال وآثار کی روشنی میں

● محمد ایت اللہ قادری

فتاویٰ مصریہ کے حوالے سے :

فتاوی مصریہ کے حوالہ سے ایک فتوی نقل کردینا مناسب و بہتر سمجھتا ہوں تاکہ اجتماعی طور پر علماء مصر کے فقہی خیالات سامنے آجائیں :

السوال:یقول بعض الناس : إن الاحتفال بمولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدعة لم تکن فی أیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی أیام الصحابة والسلف الصالح ، ویقولون إنها بدعة منکرة وضلالة تؤدی إلی النار، فما هو الرأی الصحیح فی ذلك ، و کذلك فی الاحتفال بموالد الأولیاء؟

الجواب:لایعرف المؤرخون أن أحدا قبل الفاطمیین احتفل بذکری المولد النبوی - کما قال الأستاذ حسن السندوبی - فکانوا یحتفلون بالذکری فی مصر احتفالا عظیما ویکثرون من عمل الحلوی وتوزیعها کما قال القلقشندی فی کتابه " صبح الأعشی " ۔

وکان الفاطمیون یحتفلون بعدة موالد لآل البیت ، کما احتفلوا بعید المیلاد المسیحی کما قال المقریزی ، ثم توقف الاحتفال بالمولد النبوی سنة ۴۸۸ ھ و کذلك الموالد کلها ، لأن الخلیفة المستعلی باللہ استوزر الأفضل شاهنشاه بن أمیر الجیوش بدر الجمالی ، وکان رجلا قویا لا یعارض أهل السنة کما قال ابن الأثیر فی کتابه " الکامل " ج ۸ ص ۳۰۲ واستمر الأمر کذلك حتی ولی الوزارة المأمون البطائحی ، فأصدر مرسوما بإطلاق الصدقات فی ۱۳ من ربیع الأول سنة ۵۱۷ ھ وتولی توزیعها " سناء الملك " ۔

ولما جاءت الدولة الأيوبية أبطلت كل ما كان من آثار الفاطميين، ولكن الأسر كانت تقيم حفلات خاصة بمناسبة المولد النبوى، ثم صارت، رسمية فى مفتتح القرن السابع فى مدينة " إربل " على يد أميرها مظفر الدين أبي سعيد كوكبرى بن زين الدين على بن تبكتكين، وهو سنّى اهتم بالمولد فعمل قبابا من أول شهر صفر، وزينها أجمل زينة، فى كل منها الأغانى والقرقوز والملاهى، ويعطى الناس إجازة للتفرج على هذه المظاهر. وكانت القباب الخشبية منصوبة من باب القلعة إلى، باب الخانقاه، وكان مظفر الدين ينزل كل يوم بعد صلاة العصر، ويقف على كل قبة ويسمع الغناء ويرى ما فيها، وكان يعمل المولد سنة فى ثامن الشهر، وسنة فى ثانى عشره، وقبل المولد بيومين يخرج الإبل والبقر والغنم، ويزفها بالطبول لتنحر فى الميدان وتطبخ للناس. ويقول ابن الحاج أبو عبد الله العبدرى: إن الاحتفال كان منتشرا بمصر فى عهده، ويعيب ما فيه من البدع " المدخل ج ٢ ص ١١-١٢.

وألفت كتب كثيرة فى المولد النبوى فى القرن السابع، مثل قصة ابن دحية المتوفى بمصر سنة ٦٣٣ هـ، ومحيى الدين بن العربى المتوفى بدمشق سنة ٦٣٨هـ، وابن طغربك المتوفى بمصر سنة ٦٧٠ هـ، وأحمد العزلى مع ابنه محمد المتوفى بسبته سنة ٦٧٧ هـ.

ولانتشار البدع فى الموالد أنكرها العلماء، حتى أنكروا أصل إقامة المولد، ومنهم الفقيه المالكى تاج الدين عمر بن على اللخمى الإسكندرى المعروف بالفاكهانى، المتوفى سنة ٧٣١هـ، فكتب فى ذلك رسالته "المورد فى الكلام على المولد" أوردها السيوطى بنصها فى كتابه "حسن المقصد".

ثم قال الشيخ محمد الفاضل بن عاشور: وقد أتى القرن التاسع والناس بين مجيز ومانع واستحسنه السيوطى وابن حجر العسقلانى، وابن حجر الهيتمى، مع إنكارهم لما لصق به من البدع، ورأيهم مستمد من آية {وذكّرهم بأيام الله} إبراهيم: ٥. أخرج النسائى وعبد الله بن أحمد فى زوائد المسند، والبيهقى فى شعب الإيمان عن أبى بن كعب عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه فسر الأيام بنعم الله وآلائه "روح المعانى للآلوسى" وولادة النبى نعمة كبرى. اهـ

وفى صحيح مسلم عن أبى قتادة الأنصارى قال: وسئل -النبى صلى الله عليه وسلم- عن صوم يوم الاثنين فقال " ذاك يوم ولدت فيه، ويوم بعثت أو أُنزل علىّ فيه " روى عن جابر وابن عباس:

ولد رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الفيل يوم الاثنين الثانى عشر من ربيع الأول وفيه بعث وفيه عرج به إلى السماء وفيه هاجر وفيه مات أى فى شهر ربيع الأول، فالرسول صلى الله عليه وسلم نص على أن يوم ولادته له مزية على بقية الأيام، وللمؤمن أن يطمع فى تعظيم أجره بموافقته ليوم فيه بركة، وتفضيل العمل بمصادفته لأوقات الامتنان الإلهى

معلوم قطعا من الشريعة، ولذا يكون الاحتفال بذلك اليوم ، وشكر الله على نعمته علينا بولادة النبي وهدايتنا لشريعته مما تقره الأصول ، لكن بشرط ألا يتخذ له رسم مخصوص ، بل ينشر المسلم البشر فيما حوله ، ويتقرب إلى الله بما شرعه ، ويعرِّف الناس بما فيه من فضل ، ولا يخرج بذلك إلى ما هو محرم شرعا . أما عادات الأكل فهي مما يدخل تحت قوله تعالى { كلوا من طيبات ما رزقناكم واشكروا لله } البقرة : ۱۷۲انتهی ۔

ورأيي أنه لا بأس بذلك في هذا العصر الذي كاد الشباب ينسى فيه دينه وأمجاده، في غمرة الاحتفالات الأخرى التي كادت تطغى على المناسبات الدينية ، على أن يكون ذلك بالتفقه في السيرة ، وعمل آثار تخلد ذكرى المولد، كبناء مسجد أو معهد أو أي عمل خيري يربط من يشاهده برسول الله وسيرته ۔

...يقول الزرقاني في شرح المواهب للقسطلاني : إن ابن الجزري الإمام في القراءات والمتوفى سنة ۸۳۳ ھ علَّق على خبر أبي لهب الذي رواه البخاري وغيره عندما فرح بمولد الرسول وأعتق " ثويبة " جاريته لتبشيرها له، فخفف الله عقابه وهو في جهنم فقال : إذا كان هذا الكافر الذي نزل القرآن بذمه جوزي في النار بفرحه ليلة المولد فما حال المسلم الموحد من أمته حين يُسرُّ بمولده ويبذل ما تصل إليه قدرته في محبته ۔

يقول الحافظ شمس الدين محمد بن ناصر :

إذا كان هذا كافرا جاء ذمه * وتبَّت يداه في الجحيم مخلدا أتى أنه في يوم الاثنين دائما * يخفف عنه للسرور بأحمدا فما الظن بالعبد الذي كان عمره * بأحمد مسرورا ومات موحدا ؟ رجح ابن إسحاق أن ميلاد النبي صلى الله عليه وسلم كان في ثنتي عشرة ليلة خلت من ربيع الأول من عام الفيل وروى ابن أبي شيبة ذلك عن جابر وابن عباس وغيرهما ، وحكوا شهرته عند الجمهور ۔

وقد حقق صاحب كتاب " تقويم العرب قبل الإسلام " بالحساب الفلكي الدقيق أن الميلاد كان في يوم الاثنين التاسع من شهر ربيع الأول الموافق للعشرين من شهر أبريل سنة ۵۷۱ م ۔

"انظر الحاوي للفتاوى للسيوطي ومجلة الهداية الصادرة بتونس في ربيع الأول ۱۳۹۴ھ "

ــ(الكتاب : فتاوى دار الإفتاء المصرية، باب الاحتفال بالمولد النبوي : ۲۵۵/۸)

ترجمہ : سوال ـــــ لوگوں کا کہنا ہے کہ محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا بدعت ہے ۔ یہ بدعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور سلف صالحین کے زمانے میں نہیں تھی ۔ یہ ایسی بدعت ضالہ ہے جس کا کرنے والا دوزخ میں جائے گا۔ تو اس مسئلہ میں اور محافل اولیاء کرام کے بارے میں علماء کرام کی صحیح رائے کیا ہے؟

جواب : مؤرخین کہتے ہیں کہ فاطمیین سے قبل لوگ محفل میلاد نہیں مناتے تھے جیسا کہ استاذ حسن سندوبی کا قول بھی ہے ۔ یہ (فاطمیین) لوگ مصر میں محافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کرتے تھے اور مٹھائیاں تقسیم کرتے تھے اس کے علاوہ وہ اہل بیت اطہار کی بھی محافل کا انعقاد کرتے تھے ۔ پھر یہ عمل ۴۸۸ھ میں بند ہوگیا اس لئے خلیفہ مستعلی باللہ نے ابن امیر جیوش بدر جمالی کو وزیر بنادیا جو بہت بہادر تھے اہل سنت اس پر غالب نہیں آسکتے تھے جیسا کہ ابن اثیر نے اپنی کتاب ''الکامل'' میں لکھا ہے ۔ جب مامون بطائحی خلیفہ بنے تو انہوں نے ۱۳ ربیع الاول ۵۱۷ھ کو خیرات وصدقات کے ساتھ اس رسم کو دوبارہ زندہ کیا ۔ جب خلافت ایوبیہ قائم ہوئی تو فاطمیین کے آثار مٹ چکے لیکن خاندان کے لوگ اس وقت بھی محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم آراستہ کرتے تھے ۔ پھر ساتویں صدی کے شروع میں بادشاہ اربل مظفر الدین ابوسعید کوکبری بن زین الدین علی بن تبکتکین کی سرپرستی میں لوگ باضابطہ محافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کرنے لگے ، بادشاہ مظفر سنی العقیدہ تھے وہ محفل میلاد کا خوب اہتمام کرتے تھے ، ماہ صفر کے ابتدائی دنوں میں شاندار خوبصورت قبے بنواتے ، ان قبوں میں ہر قسم کے گانے بجانے کے آلات ہوتے جن سے مختلف نغموں کی آوازیں آتیں ، بادشاہ نے لوگوں کو ان مناظر کے دیکھنے کی کھلی اجازت بھی دے رکھی تھی ، وہ قبے لکڑیوں سے بنائے جاتے تھے جو قلعہ سے خانقاہ کے دروازے تک ہوتے ، ملک مظفر خود بھی عصر کے بعد ان قبوں کے پاس جاتے اور وہاں کچھ دیر کھڑے رہ کر نغمے سنتے تھے ، بادشاہ مظفر ہر سال ۸ / تا ۱۲ / ربیع الاول محفل میلاد منعقد کرتے تھے ، میلاد سے دو دن قبل اپنے جانوروں کو اصطبل سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کرادیتے تھے تاکہ جانور ذبح کرنے ، کھانا پکانے اور کھلانے میں آسانی ہو ۔ ابن الحاج عبداللہ العبدری کا کہنا ہے کہ بادشاہ مظفر کے عہد میں مصر کے اندر محفل میلاد کا عام رواج تھا ، محفل میلاد کو وہی لوگ برا جانتے تھے جو بدعتی فرقہ سے تعلق رکھنے والے ہوتے ، ساتویں صدی ہجری میں میلاد کے متعلق کثیر علماء نے کتابیں لکھیں مثلاً ابن دحیہ المتوفی : ۶۳۳ھ ، محی الدین بن العربی المتوفی : ۶۳۸ھ ، ابن طغربک المتوفی : ۶۷۰ھ ، احمد العزلی المتوفی : ۶۷۷ھ وغیرہ ۔ لیکن جب محفل میلاد کے اندر منکرات کا دخل ہونے لگا تو تاج الدین عمر بن علی مالکی فاکہانی المتوفی ۷۳۱ھ اور دیگر علماء کرام اس کی مخالفت میں کھڑے ہوگئے ، فاکہانی نے ''المورد فی الکلام علی المولد'' نامی کتاب لکھ کر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ممنوع قرار دیا حتی کہ نویں صدی ہجری میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز وعدم جواز میں لوگوں کو کافی الجھن محسوس ہوئی تو علماء کرام نے سنجیدگی کے ساتھ اس کی تحقیق وتدقیق شروع کردی اور عوام و خواص کی رہنمائی فرمائیں ۔ علامہ سیوطیؒ نے ، فاکہانی کی کتاب ''المورد فی الکلام علی المولد'' کے رد میں ''حسن المقصد'' تصنیف فرمائی ، فاکہانی کی تردید کرتے ہوئے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت کیا ۔ علامہ سیوطیؒ کے علاوہ ، ابن حجر عسقلانیؒ ، ابن حجر ہیتمی وغیرہ نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مستحسن قرار دیا ، اور دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قول : وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ط میں امام نسائی ، امام عبد اللہ بن احمد ، اور امام بیہقی کے نزدیک ایام اللہ سے مراد ''اللہ تعالیٰ کی

نعمتیں'' ہیں، آیت قرآنی کا ترجمہ ہے: لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلاؤ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سب سے بڑی نعمت ہے اس لئے اس کا چرچا کرنا قرآن کریم کے موافق ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوقتادہ انصاریؓ سے مروی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: اس روز میری پیدائش ہوئی اور اسی دن نزول قرآن کریم کی ابتداء ہوئی۔

حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت عام الفیل میں بارہ ربیع الاول کو ہوئی، اسی دن آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، اسی روز آپ ﷺ کو آسمان کی طرف عروج ہوا، اسی دن آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یوم ولادت باسعادت کو نمایاں فرما کر اس کو تمام ایام پر فضیلت عطا فرمائی اسی لئے اہل اسلام کو چاہئے کہ اس روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم میں محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کرے اور اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کی امید رکھے۔لیکن یہ محفل محض رسما نہ ہو بلکہ آپ ﷺ کے شمائل، اخلاق حسنہ اور سیرت طیبہ سے لوگوں کو آگاہ کرنے اور تقرب الی اللہ کی نیت ہو، ممنوع ومحظور اشیاء سے اجتناب بھی کیا جائے۔رہی بات کھانا کھلانے کی تو وہ آیت کریمہ ''كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ﴿۱۷۲﴾'' سے مستنبط ہے۔

میرے خیال میں عصر حاضر کے نوجوانوں کو دین سے قریب کرنے کے لئے محافل میلاد کے انعقاد میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے جبکہ نوجوان افراد غیر دینی وغیر مہذب مجالس میں بیٹھ کر اپنے دین وآخرت کو فراموش کرتے جارہے ہیں اور دینی امور سے غافل وگمراہ بھی ہو رہے ہیں، اس بناء پر سیرت نبوی ﷺ کو سمجھنے کے لئے ذکر میلاد کی مداومت کرنا مسجد و عبادت گاہ کی تعمیر کی طرح عمل خیر مانا جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سیرت کو جاننے کے لئے اس سے اچھا کام اور کیا ہو سکتا ہے۔

علامہ زرقانی نے شرح المواہب للقسطلانی میں ابن جزری اور حافظ شمس الدین محمد بن ناصر کا قول نقل کیا ہے کہ ابولہب نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عذاب میں تخفیف کر دی تو ایک مسلمان کا کیا عالم ہوگا جو جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مناتا ہے۔

ابن اسحاق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد میں راجح قول بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ کی پیدائش شب ۱۲/ماہ ربیع الاول عام الفیل کو ہوئی، انہوں نے کہا کہ یہ روایت حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہما سے مروی ہے اور یہی جمہور کے نزدیک مشہور بھی ہے مگر صاحب کتاب ''تقویم العرب قبل الاسلام'' نے کہا ہے کہ بحساب فلکی آپ ﷺ کی پیدائش ۹/ربیع الاول بروز پیر ہے جو ۲۰/اپریل ۵۷۱م کے موافق ہے۔

اس باب میں جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق علماء کرام، فقہاء عظام کے اقوال وافعال کو پیش کیا گیا ہے

جن سے معلوم ہوا کہ اہل علم بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی میں بارہ ربیع الاول کو بڑے جوش و خروش کے ساتھ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مناتے تھے اور فراخ دلی کے ساتھ لوگوں کو کھانے کھلاتے اور غرباء ومساکین کو خیرات وصدقات کرتے تھے، صلاح الدین ایوبی کے بہنوئی بادشاہ مظفر کے بارے میں ''سبل الہدیٰ'' کے حوالہ سے آپ نے پڑھا کہ وہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر سال مہمان نوازی پر تین لاکھ دینار خرچ کرتے تھے اور یہ خرچ خفیہ صدقات کے علاوہ تھا۔ اگر اس دور میں تین لاکھ دینار کا موازنہ، ہندوستانی کرنسی سے کیا جائے تو تخمیناً یہ رقم ۱۵؍ کروڑ کے مساوی ہوگی۔ کچھ لوگ تو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پہلے سے رقم جمع کر کے رکھتے تھے۔ گذشتہ صفحات میں ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری کے حوالہ سے ابن جماعہ کا قول نقل کیا گیا: كان يعمل طعاما في المولد النبوي ويطعم الناس ويقول لو تمكنت علمت بطول الشهر كل يوم مولدا یعنی ابن جماعہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری حیثیت ہوتی تو پورا مہینہ محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کرتا اور لوگوں کو کھانا کھلاتا۔

علماء کرام کے اقوال وافعال کو دوبارہ ذکر نہ کر کے صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آیات قرآنی، احادیث مبارکہ اور اقوال ائمہ وعلماء کو سنجیدگی سے سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہے اور یہ ایک مبلغ کی اہم ذمہ داری ودینی فریضہ ہے۔ اگر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی میں جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا جائز نہ ہوتا تو صاحب سبل الہدیٰ امام محمد بن یوسف شامی، بادشاہ مظفر اور دیگر علماء کرام، امراء اور رؤساء کے اقوال وافعال کو، ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری، ابن جماعہ کے محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منانے کے طریقے کو ذکر کرنے کے بجائے ان کی تردید کرتے اور ان کی مخالفت کرتے لیکن ان علماء کرام نے خود محافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کیں اور عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے والوں کی تائید فرمائیں اور تصانیف کی تشہیر کر کے لوگوں کی رہنمائی فرمائیں، اور یہ واضح کر دیا کہ اگرچہ یہ بدعت ہے لیکن بدعت حسنہ ہے جس پر عمل کرنا جائز ہے اور عمل کرنے والا اجر وثواب کا مستحق ہوگا مثلاً امام نوویؒ کے شیخ امام ابوشامہؒ نے فرمایا: ومن احسن ما ابتدع في زماننا یعنی کیا ہی اچھا ہے وہ عمل جس کا آغاز ہمارے زمانہ میں ہوا۔ علامہ ظہیر الدین تزمنتی نے فرمایا کہ اس کا رواج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھا لیکن یہ بدعت حسنہ ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نعمت کا حصول ہو یا مصیبت سے نجات حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا نعمت ہیں، میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روز اظہار تشکر کرنا چاہئے۔ اور خوشی ومسرت کا اظہار کرنا چاہئے۔

ارباب علم وافتاء کے اقوال وافعال سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کا رواج متعدد اسلامی ادوار اور بلاد اسلامیہ میں رہا ہے، جن میں سے اکثر کا تعلق بلاد عربیہ سے ہے اس لئے یہ کہنا سراسر جھوٹ وبہتان ہے کہ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم برصغیر ہندو پاک کے مسلمانوں کی ایجاد واختراع ہے اور اس کا آغاز اس دور کے مسلمانوں

نے کیا ہے۔صحیح یہ ہے کہ امام محمد بن یوسف شامیؒ کی تحقیق کے مطابق اس کا آغاز شیخ معین الدین عمر بن محمد نے ''موصل'' میں کیا اوران کی اقتداء میں دیگر عوام وخواص نے اس میں حصہ لیا پھر اس کے بعد حرمین شریفین ، مدینہ منورہ سمیت دنیا کے مشہور و معروف ممالک اور بڑے بڑے شہروں میں یہ تقریب سعید منعقد ہونے لگی ،عربوں کی دیکھا دیکھی اہلیان عجم نے بھی عقیدت و محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جشن عید میلا د النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا شروع کر دیا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے ۔

جشن عید میلا د النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو حضرات کہتے ہیں کہ یہ بدعت سیئہ ہے،عید میلا د النبی ﷺ منانے والے گنہگار ہیں ،بڑے ہی متانت وسنجیدگی کے ساتھ عرض ہے کہ بغیر کسی مکتب فکر کی طرفداری کرتے ہوئے تعصب کا عینک اتار کرا گروہ قرآن کریم ،احادیث مبارکہ اور اقوال ائمہ وعلماء میں غور وفکر کریں تو ان میں مثبت فکر پیدا ہو سکتی ہے،اوران کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ عمل احکام شرعیہ کے منافی اور متصادم نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو علماء کرام کبھی اس کو اپنی نیکیوں کا حصہ نہیں مانتے ۔

حضرت مولانا شاہ محمد حبیب حیدر قلندر علوی کاکورویؒ ،المتوفی : ۱۳۵۴ھ :

خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری ،لکھنؤ کے باکمال عالم دین اور صوفی گرامی منزلت حضرت مولانا شاہ محمد حبیب حیدر قلندرؒ میلا د النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں :

''اب تعین ماہ ولادت کی جو علماء نے مستحسن جانا ہے وہ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے مہینہ کی عظمت ظاہر ہو کیونکہ یہ مہینہ حضور ﷺ سے منسوب ہے اور حضور ﷺ کے تمام منتسبات کی تعظیم لازم ہے''۔۔۔(تسکین الفواد بذکر عید المیلا د ،ص:۳۱)

مولانا موصوف نے اپنے قول کی تائید میں حضرت ابو شامہؒ ،حافظ ابن جزریؒ اور دیگر علماء کے اقوال کو بھی بیان کیا ہے، جن کو میں نے گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے ۔اس کے بعد حضرت مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں :

''فتح القدیر میں ہے کہ فقہاء کرام زیارت مدینہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ جن امور سے حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب وتعظیم ظاہر ہو وہ سب اچھی ہیں ۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم شرعا مطلوب ہے اور یہی طریقہ ذکر تابعین وتبع تابعین میں تھا اور ادب وتعظیم کا یہ حال تھا کہ حضرت امام مالکؒ ایک مقام پر کھڑے تھے عبد المجید قاضی شہر نے ان سے ایک حدیث پوچھی ۔امام نے ان کو قید کرنے کا حکم دیا۔لوگوں نے سفارش کی اور کہا کہ یہ قاضی ہیں ۔امامؒ نے فرمایا کہ ہاں انہیں کو ادب سکھانے کی زیادہ ضرورت ہے ۔پس ہم لوگ اپنے آقائے ولی نعم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب یاد کرنے کے زائد مستحق ہیں کہ باہم ذکر کرکے امم سابقہ پر فخر کریں اور خدا کا شکر کریں کہ اس نے ہم کو افضل الرسل کی امت میں بنایا اور آپ ﷺ کے تصدق میں ہمارا مرتبہ بڑھا اور اس میں سب اسلاف واخلاف متفق ہیں اور حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی ان نعمات الٰہیہ کا شکر ہے جو آپ ﷺ کے تصدق میں ہم کو حاصل ہوئیں ۔اور ہر نعمت کا شکر واجب ہے اس کے علاوہ اس محفل

اقدس سے یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ حاضرین مجلس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات سنتے ہیں تو اپنا عقیدہ مضبوط کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ عام مسلمانوں کو اس قدر خیال کہاں کہ وہ فضائل ومناقب دریافت کرنے پر متوجہ ہوں یا صحبت علماء میں حاضر ہو کر آپ کے فضائل معلوم کریں اور یہ بھی بڑا فائدہ ہے کہ اس ذکر سے آپ ﷺ کی عظمت ومحبت مسلمانوں کے دلوں میں منقش ہوتی ہے۔حضرات اہل بیت اطہارؓ صحابہ کبارؓ کو بوجہ صحبت وخدمت حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ حاصل تھا۔ان کو اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ اس کے لئے ذریعہ ڈھونڈتے۔

بعض منکرین،جہلاء کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ اگر یہ فعل ذکر مولد مستحسن ہوتا تو قرون ثلثہ میں حضرات صحابہ وتابعین وتبع تابعین کیوں نہ کرتے انہیں شاید اس امر کا خیال نہیں رہتا کہ ان حضرات کا تمام تر وقت اسی ذکر میں گزرتا تھا اس لئے انہیں تعین وقت کی ضرورت نہ تھی اور اب اس زمانہ کے لوگ دن رات غفلت میں رہتے ہیں اگر یہ تعین نہ کیا جاتا تو بالکل اس ذکر کرنے اور سننے سے محروم رہتے۔اس لئے جس طرح قرون اولیٰ میں معین کرنا نازیبا تھا ویسا ہی اب اس زمانہ میں معین نہ کرنا ناروا ہے۔حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایمان کے بہتر (۷۲) جزو ہیں اس وقت اگر ایک جزو بھی نہ پایا جائے گا تو ایمان صحیح نہ ہوگا اور ایک وقت ایسا ہوگا جس میں ایک جزو ہی اگر پایا جائے گا تو وہ مومن ہوگا۔پس وہ لوگ اس بہتر زمانہ میں تھے ان کے لئے وہ سزاوار تھا اور جو اس زمانہ میں ہیں ان کے لئے یہ ضروری ہے۔(تسکین الفواد بذکر عید المیلاد،ص:۳۴-۳۵)

حضرت شاہ صاحبؒ چند سطور کے بعد فرماتے ہیں :

”مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی حسب حیثیت اس محفل شریف میں صرف کریں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں خصوصاً اس زمانہ میں کہ غربت اسلام کا وقت ہے اور اس مجلس سے رونق اسلام متصور ہے تھوڑے بہت کا خیال نہ کریں بلکہ جو ہو سکے کریں اور مقرر کرنے کے بعد موقوف نہ کریں......حاضرین محفل کو بھی چاہئے کہ قلیل وکثیر پر نظر نہ کریں صرف بغرض ثواب وسماع حالات حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس شریف میں حاضر ہوں اور خضوع وخشوع سے حضور ﷺ کے حالات سنیں اور سمجھیں کہ یہ طریقۂ خیر ہے ہر گز گناہ نہیں اور شرعاً لوگوں کا اجتماع فرحت وسرور کے لئے ثابت ہے......خوشی کے وقت کھانا کھلانا کچھ تقسیم کرنا جائز اور اس کا کھانا ہر امیر وفقیر کو مباح ہے اور واعظ ومولد خوان کو چاہئے کہ جاہلوں کو خوش کرنے کے لئے جھوٹے قصے یا فارسی کی کسی غیر معتبر کتاب کے واقعات بیان نہ کرے......بارہویں ماہ ربیع الاول اور دوشنبہ کا دن اور شب دوازدہم بہ نسبت اور دنوں اور مہینوں اور شبوں کے افضل ہے......بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی تھیں کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس ان کے مرض الوفات میں گئی۔انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کس دن وفات پائی میں نے کہا دوشنبہ کو،پھر پوچھا کہ آج کون دن ہے میں نے کہا دوشنبہ،کہنے لگے کہ اللہ سے مجھے امید ہے کہ آج ہی رات کو وہ مجھے موت دے۔ چنانچہ اسی روز رات کو ان کی وفات ہوئی اور صبح سے پہلے دفن کئے گئے۔قسطلانی شرح بخاری میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اپنی

وفات کی امید دوشنبہ کے دن بقصد تبرک وحصول خیر رکھتے تھے کیونکہ اسی روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی اور اس وجہ سے اس دن کو اور دنوں پر فضیلت ہے‘‘۔۔۔(تسکین الفواد بذکر عید المیلاد ص:۳۸-۴۰)

علامہ محمد اقبالؒ ،المتوفی:۱۳۵۷ھ :

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں :

’’منجملہ ان مقدس ایام کے جو مسلمانوں کے لئے مقدس کئے گئے ہیں ایک میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دن بھی ہے۔ میرے نزدیک انسانوں کی دماغی وقلبی تربیت کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ان کے عقیدے کی رو سے زندگی کا جو نمونہ بہترین ہو وہ ہر وقت ان کے سامنے رہے چنانچہ مسلمانوں کے لئے اسی وجہ سے ضروری ہے کہ وہ اسوہ رسول کو مدنظر رکھیں تاکہ جذبہ تقلید اور جذبہ عمل قائم رہے‘‘۔۔۔(آثار اقبال،ص:۳۰۷)

مولانا اشرف علی تھانویؒ ،المتوفی:۱۳۶۲ھ :

مولانا اشرف علی تھانوی ایک مشہور دیوبندی عالم تھے جو شیخ العرب والعجم حاجی شاہ امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مرید تھے۔ میلاد النبی ﷺ کے عنوان سے ان کے خطبات کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔اس مجموعہ میں انہوں نے وضاحت کی ہے کہ وہ محفل میلاد کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز اور مستحب امر ہے اس لئے وہ خود ماہ ربیع الاول میں حضور اکرم ﷺ کے فضائل وکمالات کا بیان کرتے تھے چنانچہ وہ فرماتے ہیں :

’’میرا کئی سال تک یہ معمول رہا کہ یہ جو مبارک زمانہ ہے جس کا نام ربیع الاول کا مہینہ ہے جس کی فضیلت ایک عاشق ملا علی قاری نے اس عنوان سے ظاہر کیا ہے :

لھذا الشھر فی الاسلام فضل ۞ منقبۃ تفوق علی الشھور

ربیع فی ربیع فی ربیع ۞ ونور فوق نور فوق نور

تو جب یہ مبارک مہینہ آتا تھا تو میں حضور ﷺ کے وہ فضائل جن کا خاص تعلق ولادت شریفہ سے ہوتا تھا مختصر طور پر بیان کرتا تھا مگر التزام کے طور پر نہیں کیوں کہ التزام میں تو علماء کو کلام ہے بلکہ بدون التزام کے دو وجہ سے :

ایک یہ کہ حضور ﷺ کا ذکر فی نفسہ طاعت وموجب برکت ہے۔

دوسرے اس وجہ سے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم لوگ جو مجالس موالید کی ممانعت کرتے ہیں تو وہ ممانعت نفس ذکر کی وجہ سے نہیں۔نفس ذکر کو تو ہم لوگ طاعت سمجھتے ہیں بلکہ محض منکرات ومفاسد کے انضمام کی وجہ سے منع کیا جاتا ہے ورنہ نفس ذکر کا تو ہم خود قصد کرتے ہیں۔

یہ تو ظاہری وجوہ تھیں۔بڑی بات یہ تھی کہ اس زمانہ میں اور دنوں سے زیادہ حضور ﷺ کے ذکر کو جی چاہا کرتا ہے اور

یہ ایک امر طبعی ہے کہ جس زمانہ میں کوئی امر واقع ہوا ہو اس کے آنے سے دل میں اس واقع کی طرف خود بخود خیال ہوا جاتا ہے۔ اور خیال کو یہ حرکت ہونا جب امر طبعی ہے تو زبان سے ذکر ہو جانا کیا مضائقہ ہے یہ تو ایک طبعی بات ہے......میرا جو معمول تھا کہ اس ماہ مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل بیان کیا کرتا تھا، وہ دوام کے حد میں تھا، التزام کے طور پر نہ تھا۔ چنانچہ چند سال تک تو میں نے کئی وعظوں میں فضائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جن کے نام سب مقفی ہیں: النور ، الظھور، السرور، الشذور ، الحبور۔ ہاں ایک ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ اسی سلسلہ میں ہے مقفی نہیں۔ پھر کئی سال سے اس کا اتفاق نہیں ہوا کچھ اسباب طبعیہ ایسے مانع ہوئے جن سے یہ معمول ناغہ ہو گیا۔ نیز ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگ اس معمول سے التزام کا خیال نہ کریں جو کہ خلاف واقع ہے کیوں کہ میرے اس معمول کی بڑی وجہ صرف یہ تھی کہ ان ایام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور دنوں سے زیادہ یاد آتے تھے نہ کہ اس میں شرعی ضرورت کا اعتقاد یا عمل تھا‘‘۔۔۔(خطبات میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص:۱۹۰-۱۹۹)

آیت کریمہ: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۝۵۸ میں مذکور لفظ ’’فضل‘‘ اور ’’رحمت‘‘ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

’’اس مقام پر ہر چند کہ آیت کے سباق پر نظر کرنے کے اعتبار سے قرآن مجید مراد ہے لیکن اگر ایسے معنی عام لئے جائیں کہ قرآن مجید بھی اس کا ایک فرد رہے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ وہ یہ کہ فضل اور رحمت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم مبارک لئے جائیں۔ اس تفسیر کے موافق جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہیں خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی اور ان میں قرآن بھی ہے سب اس میں داخل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باجود اصل ہے تمام نعمتوں کی اور مادہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا۔ پس یہ تفسیر اجمع التفاسیر ہو جائے گی۔ پس اس تفسیر کی بنا پر اس آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ ہم کو حق تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باجود پر خواہ وجود نوری ہو یا ولادت ظاہری، اس پر خوش ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لئے تمام نعمتوں کے واسطہ ہیں۔ افضل نعمت اور سب سے بڑی دولت ایمان ہے جس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم کو پہنچنا بالکل ظاہر ہے۔ غرض اصل الاصول تمام مواد فضل و رحمت کی حضور کی ذات بابرکات ہوئی۔ پس ایسی ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرح ہو کم ہے‘‘۔۔۔ (خطبات میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص:۶۵)

غیر مقلد عالم مولانا وحید الزماں، المتوفی: ۱۳۳۸ھ :

غیر مقلد عالم وحید الزماں ہدیۃ المہدی من الفقہ المحمدی میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھتے ہیں :

وکذلك من یزجر الناس بالعنف والتشدد علی سماع الغناء او المزامیر او عقد مجلس للمیلاد او قرأۃ الفاتحۃ المرسومۃ ویفسقھم او یکفرھم علی ھذا ۔(ھدیۃ المھدی من الفقہ المحمدی، ص:۱۱۹)

ترجمہ : اسی طرح وہ شخص جولوگوں کوسماع غناء، مزامیر یا مجلس میلاد منعقد کرنے یا مروجہ فاتحہ پڑھنے پر ڈانٹ ڈپٹ کرے یاان کی تفسیق وتکفیر کرے تو ایسا شخص نیکی کی بجائے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ حسن نظامی دہلویؒ ،المتوفی: ۱۳۷۴ھ :

امیر شریعت اول حضرت اقدس فیاض المسلمین مولانا شاہ بدرالدین قادری قدس سرہ کے خلیفہ ومجاز حضرت خواجہ حسن نظامی دہلویؒ فرماتے ہیں :

''اگر چہ اب وہ خدا کے اچھے رسول ﷺ جسم کی زندگی میں زمین پر موجود نہیں مگر ان کی باطنی اور روحانی زندگی اب بھی اس دنیا میں موجود ہے اور ہماری حالتوں کی خبر خدا کی دی ہوئی قوت سے ان کو رہتی ہے۔آٹھ دن کے اندر دو دفعہ امت کے نیک و بد حالات کی اطلاع فرشتے ان کو دیتے ہیں،اور جب وہ اپنی امت کی نیکی دیکھتے ہیں،اچھے عمل ملاحظہ فرماتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ہمارے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جب ہمارے گناہوں کی خبر ان کو دی جاتی ہے تو بہت رنجیدہ ہوتے ہیں اور انکے دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی امت کی بھلائی کے عاشق زار ہیں،وہ گوارا نہیں کرسکتے کہ ان کی امت برے کام کرکے دوزخ میں جائے اور قیامت کے دن کالے منہ ہو کر اٹھے۔

پس جب ہمارے رسول ﷺ کو ہمارا ایسا خیال ہوتو ہم کو بھی چاہئے کہ اپنے محبت کرنے والے پیغمبر خدا کو ہمیشہ یاد رکھیں اور ہو سکے تو آٹھویں دن ورنہ ایک مہینہ یا ایک سال میں تو ضرور ان کا ذکر خیر کیا کریں اور ان کی اچھی باتیں سنیں، ان سے جی لگائیں اور جہاں تک ہو سکے ان کی پیروی کریں، جن باتوں کا انہوں نے حکم دیا ہے ان کو مانیں، جن سے منع کیا ہے،ان کو نہ کریں۔

میلاد شریف کی محفلیں اصل میں اسی ذکر خیر کے لئے ہیں،تاکہ مسلمانوں کے چھوٹے بڑوں،عورت مرد میں اپنے ہادی رسول ﷺ کی یاد قائم رہے۔میلاد شریف کی مجلسیں ساری دنیا میں ہوتی ہیں،ہر قوم اور ہر فرقہ اور ہر شخص اپنی اپنی بساط کے موافق ایسی بزم منعقد کرتا ہے جس میں آنحضرت کا ذکر خیر ہو،اگر چہ آج کل کچھ لوگ میلاد کے مخالف بھی پیدا ہو گئے ہیں ......اکثر جگہ میلاد کی مجلس برادری کی رسم بن گئی ہے،کسی کے پاس پیسہ نہ ہوتو وہ سودی قرض لیکر میلاد پڑھواتا ہے،اور اپنی نمود و نام وری کے لئے فضول روشنی اور کھانے دانے اور مٹھائی وغیرہ میں بے انتہاء خرچ کرتا ہے،ایسی مجلس بے شک بری ہے ذکر رسول ﷺ کی محفل میں اپنی ناک اور عزت کے لئے سودی روپیہ لگانا حرام ہے اور بڑا گناہ ہے''۔۔۔(میلاد نامہ،ص: ۳-۵)

مولانا ابوالکلام آزادؒ ،المتوفی: ۱۳۷۷ھ :

مولانا ابوالکلام آزاد اپنی تصنیف ''ولادت نبوی ﷺ'' میں فرماتے ہیں :

’’عزیزان ملت! ماہ ربیع الاول کا ورود تمہارے لئے جشن ومسرت کا ایک پیغام عام ہوتا ہے کیونکہ تمہیں یاد آجاتا ہے کہ اسی مہینے کے ابتدائی ہفتوں میں خدا کی رحمت عامہ کا دنیا میں ظہور ہوا، اور اسلام کے داعی برحق کی پیدائش سے دنیا کی دائمی غمگینیاں اور سرگشتگیاں ختم کی گئیں۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

تم خوشیوں اور مسرتوں کے ولولوں سے معمور ہوجاتے ہو، تمہارے اندر خدا کے رسول برحق کی محبت وشیفتگی ایک بے خودانہ جوش ومحویت پیدا کردیتی ہے تم اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اسی کی یاد میں، اسی کے تذکرہ میں اور اسی کی محبت کی لذت وسرور میں بسر کرنا چاہتے ہو۔ تم اس کے ذکر وفکر کی مجلسیں منعقد کرتے ہو، ان کی آرائش وزینت میں اپنی محنت ومشقت کی کمائی بے دریغ لٹاتے ہو، خوشبودار اور تروتازہ پھولوں کے گلدستے سجاتے ہو...... پس کیا مبارک ہیں وہ دل جنہوں نے اپنے عشق وشیفتگی کے لئے رب السماوات والارض کے محبوب کو چنا اور کیا پاک ومطہر ہیں وہ زبانیں جو سید المرسلین ورحمۃ للعالمین کی مدح وثنا میں زمزمہ سنج ہوئیں:

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار ۞ بگذرانند وخم طرہ یارے گیرند

انہوں نے اپنے عشق وشیفتگی کے لئے اس کی محبوبیت کو دیکھا جس کو خود خدا نے اپنی چاہتوں اور محبتوں سے ممتاز کیا، اور ان کی زبانوں نے اس کی مدح وثنا کی، جس کی مدح وثنا میں خود خدا کی زبان، اس کے ملائکہ اور قدوسیوں کی زبان اور کائنات ارضی کی تمام پاک روحوں اور سعید ہستیوں کی زبان ان کی شریک وہم نوا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ ــــ (ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص: ۳۵-۳۷)

مولانا ابوالکلام آزاد مجلس میلاد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

’’حقیر کے اعتقاد میں اس (محفل میلاد) سے زیادہ اہم، عظیم المنفعت اور قوم کے لئے ذریعہ ارشاد وہدایت اور کوئی اجتماع نہیں‘‘ــــ (ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص: ۶۵)

حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خانصاحبؒ رامپوری، المتوفی: ۱۴۰۷ھ:

حضرت مولانا وجیہ الدین احمد خانصاحبؒ نے اپنی تصنیف ’’مسلک ارباب حق‘‘ میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر نہایت معتدلانہ طرز پر بحث کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس میں قیام جائز اور مستحسن ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

’’محفل میلاد مبارک کا منعقد کرنا بلا تامل جائز ومستحسن ہے۔ ایک قسم کی روایات کا ایک جگہ تحریر یا تقریر میں جمع کرنا خلاف عمل ونقل نہیں۔ کتب احادیث شریفہ میں بھی ایسا کیا گیا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ عمدہ مقررین وہی سمجھے جاتے ہیں جو وقت تقریر وہی مضامین بیان کریں جو اس موضوع سے متعلق ہوں۔ اس قسم کے بیان پر بدعت کا حکم لگانا خلاف انصاف ہے۔

وقت ذکر ولادت باسعادت یہ سمجھتے ہوئے کہ اس وقت درود وسلام کے نذرانے ملائکہ مقربین نے پیش کئے تھے اور مخصوص رحمت خداوندی حضور اکرم نورمجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر نازل ہوئی تھی، کوئی مضائقہ کی بات نہیں، بلکہ یہ چیز امر مستحسن ہے، نیز ایسے وقت میں سب کا کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھنا اور زائد مستحسن ہے، تاکہ ملائکہ عظام، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالی میں مسلمانوں کا تعظیمی قیام وسلام پیش کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھنا خلاف سنت نبویہ ہرگز نہیں۔ نماز جنازہ اور دعائے قنوت کے وقت درود پاک قیام ہی کی حالت میں سلام پڑھا جاتا ہے''۔۔۔(مسلک ارباب حق ص: ۳۲۲-۳۲۳)

حضرت مولانا رامپوری ؒ نے بیان کیا ہے کہ مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ عالی کا ہونا ثابت ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں :

''بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس وقت ذکر ولادت ہوتا ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف لاتے ہیں اس طرح کا شرعی ثبوت نظر سے نہیں گذرا۔ ہاں مجلس میلاد مبارک کی طرف سید الاولین والآخرین رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ عالی کا ہونا اول سے آخر تک ہو یا درمیان میں کسی وقت ناممکن نہیں بلکہ تجربہ خواص سے محافل کی طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا متوجہ ہونا، خلوص نیت سے انعقاد کرنے والے سے خوش ہونا ضرور ثابت ہے، اس کے لئے کوئی وقت خاص نہیں۔ سلام وقیام کے لئے ذکر ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے مخصوص کیا گیا ہے کہ جملہ خیرات و برکات کا مبدأ وہی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ :

حضرت مولانا رامپوری ؒ فرماتے ہیں :

''بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے اور ان کے اندر یہ شبہ تقویت پا گیا ہے کہ میلاد مبارک کی محافل وقت واحد میں بے شمار ہوتی ہیں، ہر ایک کی محفل کی طرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا متوجہ ہونا بیک وقت ناممکن ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وقت واحد میں حضرت عزرائیل علیہ السلام بے شمار اموات کا انتظام کرتے ہیں اور ان کی توجہ بیک وقت سب کی طرف ہوتی ہے۔ آفتاب بیک وقت عالم کے کثیر حصے کو منور کر دیتا ہے، بلکہ رات میں ہر انسان ایک نظر سے بے گنتی ستارے دیکھتا ہے۔ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ عالی بیک وقت کثیر محافل کی طرف ہو تو اس میں کیا استحالہ یا دشواری ہے۔ نیز قوی احادیث شریفہ سے ثابت ہے اور جملہ علمائے برحق رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مسلم ہے کہ خواب میں ہمارے آقا اور عالم کے سردار حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مبارکہ ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی کہ :

''جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا، میری صورت میں شیطان کبھی نہیں آسکتا''۔

پس اگر ایک وقت مومنین سرکار سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کریں، حالانکہ ایک مشرق میں ہو، دوسرا مغرب میں، تیسرا جنوب میں، چوتھا شمال میں، تو اس میں کیا اشکال ہے؟

اگر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس میرے گھر تشریف لائے تو کیا اس رویت اور دید کو نہیں مانا جائے گا؟ اگر نہیں مانا جائے گا تو حدیث شریف کے خلاف ہوگا اور صحیح مانا جائے گا تو وقت واحد میں زیارت رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی توجہ عالی کا متعدد مقامات کی طرف ہونا ثابت۔ الغرض وقت واحد میں محافل میلاد مبارک کے اندر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات عالیہ کا نہ ہونا بعض لوگوں کے نزدیک یہ شبہ محض وسوسہ شیطانی ہے، عقل سے اس کا کوئی تعلق نہیں...... میں نے اپنے مخلصین اور انصاف پسند مسلمانوں سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اگر کوئی عالم دین متبع سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح عقیدت اور کامل محبت رکھے اور اس کے نزدیک قیام کا ثبوت نہ ہو اور مرجوح قرار دے کر نہ کرتا ہو تو وہ وہابی نہیں کہلائے گا لیکن اس کے لئے لازم ہے کہ قیام وسلام کے کرنے والے کو وہ بدعتی بھی نہ کہے۔ جو شخص ادعائے سنت کے تحت اس مستحسن عمل کے کرنے والے کو بدعتی کہتا ہو وہ یقیناً وہابی ہے۔ اسے خدا جانے یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ میں جن علماء و مشائخ کو معتبر اور صالح جانتا ہوں اور ان کے اقوال کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں، انہیں کے عمل کو بدعت کہوں، جن کو وہ حضرات علماء کرام مستحسن اور جائز سمجھتے تھے‘‘۔ (مسلک ارباب حق، ص: ۳۲۵-۳۲۷)

حضرت مولانا وجیہ الدین احمد خانصاحبؒ کے نواسے حضرت مولانا وجاہت اللہ خانصاحب قادری مجددی ’’مسلک ارباب حق‘‘ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں :

’’حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت اور روحانی جلوہ گری کے مخالفین غور کریں کہ دور حاضر میں ٹیلی ویژن کی ایجاد نے انہی کے باطل نظریہ کا قلع قمع کر دیا اور اہل حق کی بات کو سو فیصد سچ کر دیا۔ دہلی، بمبئی، کلکتہ، کراچی، لندن، نیویارک وغیرہ اور دیگر دور دراز ممالک سے پروگرام نشر کرنے والے وقت واحد میں کروڑوں گھروں میں نظر آتے ہیں۔ یہ کس چیز کا ظاہری کمال ہے، ہوا کی لہروں کا بجلی کا۔ اور یہ ہوائی لہریں اور بجلی بنانے کی دماغوں میں صلاحیت کس نے پیدا کی، اللہ تعالیٰ جو رب العالمین ہے اس نے ہی پیدا کی۔ مادی دور کے سائنس داں ٹیلی ویژن ایجاد کر کے اپنے مادی کمالات دکھلا کر یہ کیوں بھول گئے کہ ان مادی کمالات کا اعتبار وقتی ہے حقیقی نہیں۔ عقل سلیم سے محروم مادیت پرست اللہ تعالیٰ کو بھول گئے جو ان کا اور ساری کائنات کا خالق و مالک حقیقی ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ایک وقت میں بے شمار جگہوں پر اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت کیوں نہیں کرا سکتا؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر شی کو محیط ہے۔ یقیناً وہ اپنے مخصوص محبوب بندوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ایک وقت میں بے شمار جگہوں پر اور بے شمار مومنین کو کرانے پر مکمل قادر ہے اور ایسا ہوتا ہے۔ مادی کھلونے ٹیلی ویژن پر اتنا ایمان اور باعث تخلیق کائنات سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد شریف کی محافل میں رویت اور دید کا انکار کتنی بڑی بدنصیبی کی بات ہے یہ ایمان کی سخت کمزوری کی علامت ہے‘‘۔ (مسلک ارباب حق، ص: ۳۲۷)

حضرت مولانا حسن مثنی ندوی پھلواروی مہاجر پاکستان، المتوفی:۱۴۱۸ھ :

حضرت مولانا حسن مثنی ندوی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں :

''حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے تذکرے اور تذکیر کا نام مجلس میلاد ہے۔ اس تذکرے اور تذکیر کے ساتھ ہی اگر دلوں میں مسرت وخوشی کے جذبات کروٹیں لیں، یہ شعور بیدار ہو کہ کتنی بڑی نعمت سے اللہ تعالی نے ہمیں سرفراز کیا، اور اس کا اظہار بھی ختم الرسل کی محبت واطاعت اور خداوند بزرگ و برتر کی حمد وشکر کی صورت میں ہو اور اجتماعی طور پر ہو، تو یہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے''۔ (جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص:۱)

حضرت مولانا حسن مثنی ندوی فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اہتمام کیا جاتا ہے اس کی اصل دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دور صحابہ میں موجود تھی چنانچہ مولانا موصوف فرماتے ہیں :

''آج ہمارے یہاں کوئی چاہے تو یہ پوچھ سکتا ہے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو اہتمام کیا جاتا ہے۔ کیا قرآن مجید میں اس کا کوئی حکم ہے، یا سنت رسول میں اور عمل صحابہ میں اس کی کوئی مثال موجود ہے؟ مگر اس کا جواب کسی دوسرے سے حاصل کرنے کی بجائے اسے خود بھی غور کرنا چاہئے۔ مثلاً یہ سوچنا چاہئے کہ جو لباس وہ پہنتا ہے، جو کھانا وہ کھاتا ہے، جس طرح کے گھر میں رہتا ہے یا جس طرح تعلیم حاصل کرتا ہے، اسکا حکم قرآن مجید میں کیا ہے یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور عمل صحابہؓ میں اس کی کوئی مثال موجود ہے یا نہیں؟ یہ بات اگر آپ اس سے کہئے تو وہ کہے گا، اور اسے یہی کہنا چاہئے کہ لباس میں، کھانے پینے میں، گھر کی تعمیر وآرائش میں یا تعلیم کے طرز واسلوب میں، بنیادی چیز وہ مقصود ہے جو لباس، غذا، رہائش اور حصول علم کا ہے۔ موسم کے لحاظ سے، حالات کے اعتبار سے ان کی ظاہری صورت بدل بھی سکتی ہے مگر مقصود نہیں بدلے گا اگر مقصود بدل گیا اور اس کی کوئی صورت بنیادی قانون سے متصادم ہوگئی، تو قرآن وسنت کی نظر میں وہ صورت ناپسندیدہ اور ممنوع ٹھہرے گی۔ مقصود اور وسائل کے فرق کو نہ بھولنا چاہئے۔ اس کی ایک مثال یوں لیجئے کہ آدمی لباس پہنتا ہے جس کے تین مقاصد ہیں (۱) سرد وگرم سے جسم کو محفوظ رکھنا (۲) زیب وزینت اور خوش نمائی پیدا کرنا (۳) ستر پوشی کرنا۔ اسلام نے ستر پوشی کو مقصود اصلی قرار دیا ہے۔ اب اگر کوئی لباس ایسا ہو جو اس مقصد کو پورا نہ کرے تو اسلام کی نظر میں قابل گرفت ٹھہرے گا۔ ورنہ مقصود اصلی کو جراحت پہنچائے بغیر سرد وگرم سے بچنے اور خوش نمائی وزیبائی پیدا کرنے کی ہر صورت پسندیدہ ہے، اور مستحسن ہے...... عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں تذکار رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو طرز تھا وہ بعد کے زمانے میں فطرۃً بدلا۔ مگر تذکار رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہیں بدلا۔ صرف اس کا طرز بدلا۔ صحابہ کی مجلس مین مثلاً: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ کی ایک آیت کا پڑھ دینا بھی کافی تھا اور یہی ان کے لئے تذکار رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھا۔ سارا قرآن ان کے سامنے روشن ہو جاتا تھا اور اس آئینے میں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے دیکھنے لگتے تھے لیکن ان لوگوں کے سامنے، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا، تذکار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حق تو ادا ہو نہیں سکتا

جب تک پوری تفصیل سے تمام باتیں بیان نہ کی جائیں۔یہی سبب ہے کہ صحابہؓ نے حضور ﷺ کی ایک ایک بات محفوظ کی، حلیۂ مبارک تک وضاحت سے بیان کیا۔

قرآن مجید میں انبیاء ومرسلین کا تذکرہ نہ صرف یہ کہ اللہ نے خود کیا ہے بلکہ حکم دیا ہے کہ ان کو یاد کرو اور دوسروں کو یاد دلاؤ۔اس لئے ناممکن تھا کہ مسلمان جب مسلمان تھے اور صاحب ایمان تھے تو رسول مقبول کا تذکرہ نہ کرتے۔اس کے علاوہ مسلمانوں کو چوں کہ ہمیشہ جمعیت وتنظیم کی اجتماعی زندگی بسر کرنے کا حکم ہے، اس لئے ہر معاملے میں انہوں نے اجتماعیت کو پیش نظر رکھا ''تحدیث نعمت'' کا حکم خود حضور اکرم ﷺ کو ملا تھا کہ: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ اپنے پروردگار کا تذکرہ کرو، اسے دوسروں سے بیان کرو۔ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی تبعیت میں تمام مسلمان اس حکم کے تحت آگئے۔صحابہ کو اس کا علم تھا۔مسلمانون پر بلکہ ساری دنیا کے انسانوں پر اس سے بڑا انعام ربانی اور کیا ہے کہ اس نے حضور اکرم محمد رسول اللہ کو بھیجا......مسلمانوں نے ہر زمانے مین تحدیث نعمت کی جو تذکار رسول ﷺ کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔چنانچہ اس حقیقت کو حضرت حسان بن ثابت جیسے بلند مرتبہ صاحب شعر وشعور صحابی نے بیان بھی کیا ہے کہ اللہ نے تو حضور ﷺ کو ایسا قرب بخشا کہ مؤذن ہر روز پانچ وقت اللہ کے نام کے ساتھ حضور ﷺ کا نام پکارتا ہے''۔۔۔(جشن میلاد النبی ﷺ، ص: ۶-۸، سیارہ ڈائجسٹ سیرت نمبر جلد دوم، کراچی)

۔۔۔(جاری)

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

سہ ماہی
المجیب
میں اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں

عہد فاروقی کا ملکی نظام

● ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی — شعبہ دینیات (سنی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

جب شام وایران فتح ہوا تو لوگوں کی رائے ہوئی کہ مفتوحہ علاقے امرائے فوج کی جاگیر میں دے دئیے جائیں۔ عبدالرحمن کہتے تھے کہ جنہوں نے فتح کیا ہے وہ ملک ان ہی کے قبضہ میں رہنا چاہیے۔ نیز حضرت بلال ؓ کے اصرار پر حضرت عمرؓ نے پریشان ہو کر کہا تھا، "اللھم اکفنی بلالاً" مگر حضرت عمر کی رائے تھی کہ زمین حکومت کی ملک اور باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے، حضرت علی، عثمان، اور طلحہ بھی حضرت عمر کی رائے کے موافق تھے، چنانچہ مجلس عام میں مسئلہ رکھا گیا اور بحث ومباحثہ کے بعد حضرت عمر کی رائے پر فیصلہ ہوا۔(۱)

حضرت عمر نے عراق کی پیمائش کرائی قابل زراعت اراضی کا بندوبست کیا۔ عشر وخراج کا طریقہ قائم کیا، عشر کا طریقہ حضرت محمد ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں جاری ہو چکا تھا، مگر خراج کا طریقہ اس قدر منضبط نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح شام ومصر میں بھی لگان متعین کیا وہاں کا قانون ملکی حالات کے لحاظ سے عراق سے مختلف تھا، تجارت پر ٹیکس لگایا گیا۔ ماخذ بتاتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے یہ حضرت عمر کی ایجاد ہے۔(۲) ملکی نظم ونسق کو اور بہتر بنانے کے لیے حضرت عمر نے تمام مما لک میں مردم شماری کرائی۔ اضلاع میں باقاعدہ عدالتیں قائم کیں، محکمہ قضا کے لیے باقاعدہ اصول وقوانین مرتب ہوئے۔ قاضیوں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں، حتی کہ سلمان ربیعہ، اور قاضی شریح کی تنخواہیں پانچ پانچ سو درہم ماہانہ تھیں۔(۳) امیر معاویہؓ کی تنخواہ ایک ہزار دینار تھی۔(۴) امن وامان کے قیام کے لیے اور بدعنوانی وخلفشار سے بچنے کے لیے حضرت عمرؓ نے محکمہ پولیس کا قیام کیا اور حضرت عمر نے ملکی امن وامان کو مستحکم کرنے کے لیے پہلی بار مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر اس کو جیل خانہ بنایا۔(۵)

عسکری خدمات :

ماخذ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کو جب غلبہ ہو گیا اور قیصر وکسریٰ کے عظیم الشان مما لک اس کا ورثہ بن گئے

تو اس کو ایک فوجی نظم کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے اس کی طرف توجہ کی اور تمام ملک کو فوجی بنانا چاہا، لیکن ابتداء میں ایسی تعلیم ممکن نہ تھی اس لیے پہلے قریش وانصار سے آغاز کیا اور مخزمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب کے متعلق یہ خدمت سپرد کی وہ قریش وانصار کا ایک رجسٹر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام ونسب تفصیل سے درج ہو۔ اس ہدایت کے مطابق رجسٹر تیار ہوا اور حسب حیثیت تنخواہیں اور ان کے بیوی بچوں کے گزارے کے لیے وظائف مقرر ہوئے ۔ مہاجرین وانصار کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی تنخواہ دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئی ۔ نیز اسی قدر تنخواہیں غلاموں کی بھی مقرر ہوئیں ۔(۶) کچھ دنوں کے بعد اس نظام کو قریش وانصار سے وسعت دے کر تمام قبائل عرب میں عام کر دیا گیا، پورے ملک کی مردم شماری کی گئی اور ہر ایک عربی نسل کی قدر مراتب تنخواہ مقرر ہوئی یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کے لیے بھی وظائف کا قاعدہ جاری کیا گیا۔(۷) فوجی اصول وقواعد کے مطابق فوج کو چار چیزوں کے سیکھنے کی سخت تاکید کی، تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا اور ننگے پاؤں چلنا البتہ ہر چار مہینے کے بعد سپاہیوں کو وطن جا کر اپنے اہل وعیال سے ملنے کے لیے رخصت دی جاتی تھی ۔(۸) فوج کے لیے گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کا نہایت اہتمام تھا۔ ہر مرکز میں چار ہزار گھوڑے ساز وسامان سے لیس رہتے تھے ۔ موسم بہار میں تمام گھوڑے سرسبز وشاداب مقامات پر بھیج دیئے جاتے تھے ۔ مدینہ کے قریب بھی ایک چراہ گاہ تیار کرائی، اور اپنے ایک غلام کو اس کی حفاظت ونگرانی کے لیے مقرر کیا تھا، گھوڑوں کی رانوں پر ”جیش فی سبیل اللہ“ نقش ہوتا تھا، البتہ فوج میں حسب ذیل عہدے دار لازمی طور پر رہتے تھے ۔ خزانچی، محاسب، مترجم، طبیب، جراح، اور جاسوس جو غنیم کی نقل وحرکت کی خبریں بہم پہنچایا کرتے تھے ۔ فوج کے اہم ترین مراکز مدینہ، کوفہ، بصرہ، فسطاطہ، دمشق، حمص، اردن، اور فلسطین کو قرار دیا گیا تھا۔(۹) البتہ فوج میں آلات جنگ میں تیغ وسنان کے علاوہ قلعہ شکنی کے لیے منجنیق اور دبابہ بھی ساتھ رہتا تھا۔ دمشق کے محاصروں میں منجنیق کا استعمال ہوا تھا۔(۱۰)

سماجی خدمات :

خلافت فاروقی سے قبل باقاعدہ بیت المال کا وجود نہ تھا، اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر نے ۱۵ھ میں ایک مستقل بیت المال کی ضرورت محسوس کی اور مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا دار الخلافہ کے علاوہ تمام اضلاع اور صوبہ جات میں بھی اس کی شاخیں قائم کی گئیں اور ہر جگہ اس محکمہ کے جداگانہ افسر مقرر ہوئے ۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حارث اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود بیت المال کے افسر تھے ۔ صوبہ جات اور اضلاع کے بیت المال میں مختلف آمدنیوں کی جو رقم آتی تھی وہ وہاں کے سالانہ مصارف کے بعد اختتام سال پر صدر بیت المال یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی ۔ صدر بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ دار الخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے صرف اس کی تعداد تین کروڑ درہم تھی ۔ بیت المال کے حساب کے لیے مختلف

رجسٹر بنوائے گئے۔اس وقت کسی مستقل سنہ ہجری کا عرب میں رواج نہ تھا حضرت عمر نے ۱۶ھ میں سنہ ہجری کا آغاز کیا۔(۱۱)

اسلام کا دائرہ جتنا وسیع ہوتا گیا اس قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا۔حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کے لیے کوئی مستقل صیغہ نہ تھا، تاہم صوبہ جات کے عمال اور حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت مستحکم اور وسیع طور پر جاری تھا۔ہر جگہ حکام کے بود و باش کے لیے سرکاری عمارتیں تیار ہوئیں، رفاہ عام کے لیے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں، فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے، چھاؤنیاں اور پارک تعمیر ہوئے، مسافروں کے لیے مہمان خانے بنائے گئے، خزانے کی حفاظت کے لیے بیت المال کی عمارتیں تیار ہوئیں، حضرت عمر تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھے۔(۱۲)

۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان نے حضرت عمرؓ کے حکم سے شہر بصرہ کو بسایا تھا۔ابتداء میں صرف آٹھ سو آدمیوں نے یہاں سکونت اختیار کی لیکن اس کی آبادی بہت جلد ترقی کر گئی، یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے عہد امارت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے، اسّی ہزار اور ان کے آل اولاد کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔بصرہ اپنی علمی خصوصیات کی بناء پر مدتوں مسلمانوں کا مایہ ناز شہر رہا ہے۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے امیر المومنین کے حکم سے عراق کے قدیم عرب فرمانروا نعمان بن منذر کے پایہ تخت کو آباد کیا اور اس میں چالیس ہزار کی آبادی کے حساب سے مکانات تعمیر کرائے۔ حضرت عمرؓ کو اس شہر کے بسانے میں غیر معمولی دلچسپی تھی، شہر کے نقشہ کے متعلق خود ایک یادداشت لکھ بھیجی اس میں حکم تھا کہ عام شارع چالیس چالیس ہاتھ چوڑی رکھی جائیں، اس سے کم کی مقدار ۳۰x۳۰ ہاتھ اور ۲۰x۲۰ ہاتھ سے کم نہ ہو۔جامع مسجد اس قدر وسیع بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے۔(۱۳)

دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک کف دست میدان تھا۔حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر نے اثنائے جنگ میں یہاں پڑاؤ ڈالا۔اتفاق سے ایک کبوتر نے ان کے خیمہ میں گھونسلہ بنالیا۔عمرو بن العاص نے کوچ کر کے قصداً اس خیمہ کو چھوڑ دیا کہ اس کو تکلیف نہ ہو۔فتح مصر کے بعد انھوں نے حضرت عمر کے حکم سے اسی میدان میں ایک شہر آباد کیا۔ چوں کہ خیمہ کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں اس لیے اس شہر کا نام فسطاطہ قرار پایا۔(۱۴) اسی طرح ماخذ میں یہ بھی لکھا ہے کہ موصل پہلے ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو ایک عظیم الشان شہر بنا دیا اس کی بنیاد ہرثمہ بن عرفجہ نے رکھی تھی اور ایک جامع مسجد تیار کرائی۔چوں کہ یہ شہر مشرق و مغرب کو آپس میں ملاتا ہے اس لیے اس کا نام موصل رکھا گیا۔فتح اسکندریہ کے بعد عمرو بن العاص اس خیال سے کہ رومی دریا کی سمت سے حملہ نہ کرنے پائیں، تھوڑی سی فوج لب ساحل مقرر کر دی تھی، ان لوگوں کو دریا کا منظر ایسا پسند آگیا کہ وہاں سے ہٹنا پسند نہ کیا۔حضرت عمر نے ان لوگوں کی حفاظت کے لیے ۲۱ھ میں ایک قلعہ تعمیر کرلیا اور اس وقت سے یہاں ایک مستقل نو آبادی کی صورت پیدا ہوگئی جس کا نام جیزہ رکھا۔(۱۵)

جمہوری نظام خلافت :

اسلام میں خلافت کا سلسلہ گو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد سے شروع ہوا اور ان کے قلیل زمانہ میں بھی بڑے بڑے

کام انجام پائے، البتہ باقاعدہ جمہوری نظام حکومت کا آغاز حضرت عمر کے زمانہ میں ہوا۔ یعنی تمام ملکی، قومی اور ملی مسائل جمہوری نظام حکومت کی طرح مجلس شوریٰ میں طے ہوتے تھے۔ اس مجلس میں مہاجرین وانصار کے منتخب اور اکابر اہل الرائے شریک ہوتے تھے اور بحث ومباحثہ کے بعد اتفاق آراء یا کثرت رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے۔ جس طرح موجودہ زمانہ میں جمہوری حکومت کا طرز ہے اس مجلس کے مشہور ترین ممبران میں حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ تھے۔ (۱۶) مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی جس میں مہاجرین وانصار کے علاوہ تمام سرداران قبائل شریک ہوتے تھے۔ یہ مجلس نہایت اہم امور کے پیش آنے پر طلب کی جاتی تھی، ورنہ روزمرہ کے کاروبار میں مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا۔ ان دونوں مجلسوں کے علاوہ ایک تیسری مجلس بھی تھی جسے ہم مجلس خاص کہہ سکتے ہیں۔ (۱۷) آپ نے جمہوری اقدار کی کس طرح حفاظت کی اس کا اندازہ ذیل کی عبارت سے لگایا جاسکتا ہے:

وانما انا ومالکم کولی الیتیم ان استغنیت استعففت، وان افتقرت اکلت بالمعروف لکم علی ایھا الناس خصالٌ فخذونی بھا. لکم علی ان لا احبتی شیا من خراجکم وما افاء اللہ علیکم الا من وجھه لکم علی ادا وقع فی یدی ان لا یخرج منی الا فی حقه ومالکم علی ان ازید اعطیاتکم وارزاقکم ان شاء اللہ واسد تصورکم، ولکم علی ان لا اتقیکم من المالك۔ (۱۸)

ترجمہ: مجھ کو تمہارے مال میں اس طرح حق ہے جس طرح یتیم کے مال میں اس کے ولی کا ہوتا ہے۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر صاحب حاجت ہوں گا تو اندازہ سے کھانے کے لیے لوں گا، صاحبو! میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بے جا طور پر صرف نہ ہونے پائے ایک یہ کہ تمہارے روزینے بڑھاؤں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔

آپ نے جمہوری حکومت کو صرف قائم ہی نہیں کیا بلکہ اس پر عمل کر کے دکھایا۔ ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ آپ کی صاحبزادی اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ یہ خبر سن کر کہ مال غنیمت آیا ہے، حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المومنین میں ذوی القربیٰ میں سے ہوں، اس لیے اس مال میں سے مجھ کو بھی عنایت کیجیے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ بیشک تم میرے خاص مال میں حق رکھتی ہو، لیکن یہ تو عام مسلمانوں کا مال ہے۔ افسوس ہے کہ تم نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا۔ وہ بے چاری خفیف ہو کر چلی گئیں۔ (۱۹) جب حضرت عمرؓ بیمار ہوئے تو لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ چنانچہ مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں۔ (۲۰) اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جمہوریت کو صحیح خطوط پر چلانے کے لیے ایمان ویقین، عدل ومساوات، امن وامان کا قیام ضروری ہے، اور خلیفہ یا ذمہ دار کا امانت ودیانت دار ہونا بھی ضروری ہے تبھی جا کر جمہوریت کا تصور قائم کیا جاسکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں لوگوں کو نکتہ چینی کرنے کی عام آزادی تھی۔ ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار مخاطب

کر کے کہا ”اتق اللہ یا عمر“ حاضرین میں سے ایک شخص نے اسے روکنا چاہا،لیکن حضرت عمر نے فرمایا: نہیں اسے کہنے دو(۲۱)
جمہوری نظام خلافت کی دوسری شکل کا بھی تذکرہ کرنا ضروری ہے۔ماخذ کے مطابق آپ کا سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کرنا ہے۔اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس کی ابتداء کی اور تمام مما لک مفتوحہ کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا۔مکہ،مدینہ،جزیرہ،بصرہ،کوفہ،مصر،فلسطین ان صوبوں کے علاوہ تین صوبے اور تھے،خراسان،آذربائیجان۔یعنی فوجی محکمہ کا میر منشی،صاحب الخراج یعنی کلکٹر،صاحب احداث یعنی افسر پولیس،صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ،قاضی یعنی جج چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر والی،عثمان بن عیین کلکٹر،عبداللہ بن مسعود افسر خزانہ،شریح قاضی اور عبداللہ بن خلف کاتب دیوان تھے۔(۲۲)

احتساب :

یہ سچ ہے کہ خلیفہ وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق وعادات کی حفاظت ہے۔حضرت عمر نے اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیا۔حضرت عمرؓ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا،باریک کپڑے نہ پہنے گا،چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا،دوازہ پر دربان نہ رکھے گا،اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔(۲۳) اس کے ساتھ اس کے مال واسباب کی فہرست تیار کر کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ کا علم ہوتا تو جائزہ لے کر آدھا مال ہٹا لیتے تھے اور بیت المال میں داخل کرا دیتے تھے۔(۲۴) ایک دفعہ بہت سے عمال اس بلاء میں مبتلا ہوئے۔خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمر کو اطلاع دی،انھوں نے سب کی املاک کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال ہٹا لیا اور بیت المال میں داخل کر لیا۔موسم حج میں اعلان عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً دربار خلافت میں پیش کرے۔(۲۵)

چنانچہ حضرت خالد سیف اللہؓ کو اس لیے معزول کر دیا گیا کہ انھوں نے ایک شخص کو انعام دیا تھا۔حضرت عمر کو خبر ہوئی تو انھوں نے حضرت ابوعبیدہ سپہ سالار اعظم کو لکھا کہ خالد نے اگر یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور اگر بیت المال سے دیا تو خیانت کی،دونوں صورتوں میں یہ معزول کیئے جانے کے قابل ہیں۔(۲۶)

ماخذ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے،ان کے بارے میں شکایتیں آئیں کہ انہوں نے اسیران جنگ میں سے رئیس زادے منتخب کر کے اپنے لیے رکھ چھوڑے ہیں اور حکومت کی ذمہ داری زیاد بن سفیان کے سپرد کر رکھی ہے۔ان کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہنچائی جاتی ہے جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی،حضرت عمر نے ابوموسیٰ اشعری سے مواخذہ کیا تو انھوں نے دو اعتراضوں کا جواب تشفی بخش دیا،لیکن تیسری شکایت کا جواب نہ دے سکے چنانچہ لونڈی ان کے پاس سے لے لی۔(۲۷)

ماخذ میں مذکور ہے کہ صفوان بن امیہ نے ان کے سامنے ایک خوان پیش کیا،حضرت عمر نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بیٹھ کر کھانا کھلایا اور فرمایا کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار آتا ہے۔(۲۸)

دیگر خدمات :

ماخذ بتاتے ہیں کہ ۱۸ھ میں عرب میں قحط پڑا، حضرت عمرؓ نے اس مصیبت کو کم کرنے میں جو سرگرمی ظاہر کی وہ یقیناً یادگار زمانہ رہے گی۔ بیت المال کا تمام نقد وجنس صرف کر دیا، تمام صوبوں سے غلہ منگوایا، اور انتظام کے ساتھ قحط زدوں میں تقسیم کیا۔(۲۹) اسی طرح لاوارث بچوں کو دودھ پلانے اور پرورش و پرداخت کا انتظام کیا۔(۳۰) غرباء ومساکین کے روزینے مقرر کیے اور منبر پر اس کا اعلان کیا :

انی فرضت لکل نفس مسلمة من شهر مادی حنطة وقسطی خل۔

ترجمہ : میں نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دو مصر گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی؟ فرمایا: ہاں غلام کے لیے بھی۔(۳۱)

عہد فاروقی کی فتوحات :

حضرت عمرؓ جب مسند نشین ہوئے تو سب سے پہلے مہم عراق کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے اور عراق اور اس کے اطراف کو فتح کیا اس کی تفصیل بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔(۳۲) ممالک شام میں سے اجنادین بصریٰ اور دوسرے مقامات عہد صدیقی میں فتح ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں دمشق محاصرہ کی حالت میں تھا اور خالد سیف اللہؓ نے رجب ۱۴ھ میں اپنے حسن تدبیر سے اس کو مسخر کر لیا۔ ادھر رومی دمشق کی شکست سے سخت برہم ہوئے اور ہر طرف سے فوجیں جمع کر کے مقام بیسان میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جمع ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کے سامنے مقام فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ عیسائیوں کی درخواست پر معاذ بن جبل، سفیر بن کر گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی۔ چنانچہ ذیقعدہ ۱۴ھ میں فحل کے میدان میں نہایت خونریز معرکہ پیش آیا۔ بالآخر آخری معرکہ نہایت سخت تھا الغرض یہ میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔(۳۳) غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان اردن کے تمام شہر اور مقامات پر قابض ہو گئے۔ رعایا ذمی قرار دی گئی اور ہر جگہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ مقتولین کی جان ومال، زمین مکانات، گرجے اور عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں۔

دمشق اور اردن فتح ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے حمص کا رخ کیا، راہ میں بعلبک، حماة، شیراز اور مصرة النعمان فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ حمص والوں نے ایک مدت تک مدافعت کرنے کے بعد مصالحت کر لی، چنانچہ سپہ سالار اعظم ابوعبیدہ نے عبادہ بن صامت کو وہاں متعین کر کے مقام لاذقیہ کا رخ کیا اور ایک خاص تدبیر کے ساتھ اس کے مستحکم قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ دمشق اور لاذقیہ کی متواتر ہزیمتوں نے قیصر کو سخت برہم کر دیا اور وہ نہایت جوش وخروش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے اپنی شہنشاہی کا پورا زور صرف کرنے پر آمادہ ہو گیا اور انطاکیہ میں فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا، حضرت ابوعبیدہ نے اس طوفان کو روکنے کے لیے افسروں کے مشورہ سے تمام ممالک مفتوحہ کو خالی کر کے دمشق میں اپنی قوت مجتمع کی اور ذمیوں سے جو کچھ جزیہ وصول کیا گیا تھا سب واپس کر دیا گیا۔(۳۴)

ماخذ بتاتے ہیں کہ یرموک میں دومعرکہ پیش آئے پہلا معرکہ بے نتیجہ رہا ۵ رجب ۱۵ھ کو دوسرا معرکہ پیش آیا۔ رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لی تھیں کہ بھاگنے کا خیال تک نہ آئے ہزاروں پادری ہاتھوں میں صلیب لیے آگے آگے تھے اور حضرت عیسیٰ کا نام لے کر جوش دلاتے تھے اس جوش واہتمام کے ساتھ رومیوں نے حملہ کیا۔ فریقین میں بڑی خونریز جنگ ہوئی، لیکن فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ اس کی خبر جب قیصر کو ملی تو شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوگیا۔(۳۵)

فلسطین کی مہم پر حضرت عمرو بن العاص مامور ہوئے تھے، انھوں نے بابلس، لوعمواس، جبرین وغیرہ پر قبضہ کر کے ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ اس اثناء میں حضرت ابوعبیدہ بھی اس مہم سے فارغ ہوکر ان سے مل گئے۔ بیت المقدس کے عیسائیوں نے کچھ دنوں کی مدافعت کے بعد مصالحت پر آمادگی ظاہر کی اور اپنے اطمینان کے لیے یہ خواہش ظاہر کی کہ امیر المومنین خود یہاں آکر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں۔ حضرت عمر کو اس کی خبر دی گئی انھوں نے اکابر صحابہ سے مشورہ کر کے حضرت علی کو نائب مقرر کیا اور رجب ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔(۳۶)

حضرت عمر کا یہ سفر نہایت سادگی سے ہوا، مقام جابیہ میں افسروں نے استقبال کیا اور دیر تک قیام کر کے بیت المقدس کا معاہدہ صلح ترتیب دیا، پھر وہاں سے روانہ ہوکر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ پہلے مسجد میں تشریف لے گئے پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی، نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی اجازت دی، لیکن حضرت عمر اس خیال سے کہ آئندہ نسلیں اس کو حجت قرار دے کر مسیحی معبدوں میں دست درازی نہ کریں، باہر نکل کر نماز پڑھی۔(۳۷)

بیت المقدس کی فتح کے بعد بھی متفرق معرکے پیش آئے۔ اہل جزیرہ کی مستعدی اور ہرقل کی مدد سے عیسائیوں نے دوبارہ حمص پر قبضہ کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ فلسطین کے اضلاع میں قیساریہ نہایت آباد اور پررونق شہر تھا۔ ۱۳ھ میں عمرو بن العاص نے اس پر چڑھائی کی۔ ۱۸ھ تک متواتر حملوں کے باوجود فتح نہ ہوسکا۔ آخر کار ۱۸ھ کے اخیر میں امیر معاویہ نے ایک یہودی کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کرلیا اور شہر پر اسلامی پرچم لہرانے لگا، اس طرح ۱۶ھ میں عبداللہ بن غنم نے فوج کشی کی تکریت کا ایک مہینہ تک محاصرہ رہا اور چوبیس دفعہ حملہ ہوئے آخر میں فتح ہوا۔ باقی علاقوں کو عیاض بن غنم نے فتح کیا۔ ۱۶ھ میں مغیرہ بن شعبہ نے خورستان پر حملہ کیا، ۱۷ھ میں وہ معزول ہوئے اور ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعری مقرر ہوئے۔ انھوں نے نئے سروسامان سے حملہ کیا اور اہراز، مناذر، سوس، رامہرز کو فتح کرتے ہوئے خدرستان کے صدر مقام شوستر کا رخ کیا، یہ نہایت مستحکم اور قلعہ بند مقام تھا لیکن ایک شخص کی راہنمائی سے مسلمانوں نے تہ خانہ کی راہ سے گھس کر اس کو فتح کرلیا، یہاں کا سردار ہرمزان گرفتار ہوکر مدینہ بھیجا گیا وہاں پہنچ کر اس نے اسلام قبول کیا۔(۳۸) حضرت عمرو بن العاص نے بہ اصرار حضرت عمر سے اجازت لے کر چار ہزار فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کیا اور فرما، بلبیس، ام ونین وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے قسطاط کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ الغرض مصر کو فتح کیا۔(۳۹)

مذہبی خدمات :

مسلمانوں کی تعلیم وتلقین اور شعار اسلامی کی ترویج واشاعت کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد سے شروع ہوتا ہے انھوں نے اپنے دورِحکومت میں قرآن کے درس وتدریس کو رواج دیا، معلمین، حفاظ اور موذنین کی تنخواہیں مقرر کیں، اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوالدرداء کو جو حافظ قرآن تھے اور کبار صحابہ میں سے تھے قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے ملک شام میں روانہ کیا۔(۴۰)

قرآن مجید کو صحت کے ساتھ پڑھنے اور پڑھانے کے لیے تاکیدی احکام روانہ کیے گئے۔جس میں ایک حکم نامہ کے الفاظ یہ ہیں۔ تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظہ غرض حضرت عمر کی مساعی جمیلہ سے قرآن کی تعلیم عام ہوگئی تھی اور حافظوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں۔(۴۱)

حضرت عمر نے احادیث نبوی کو نقل کرا کے حکام کے پاس تاکہ عام طور پر اس کی اشاعت ہو، مشاہیر صحابہ کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ روانہ کیا، عبداللہ بن مغفلؓ، عمران بن حسین اور معقل بن یسار کو بصرہ بھیجا۔حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابودرداء کو شام روانہ کیا۔(۴۲)

حضرت عمرؓ حدیث کے متعلق کافی چھان بین کرتے تھے اور کافی احتیاط سے کام لیتے تھے ایک دفعہ آپ کسی کام میں مشغول تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری آئے اور تین دفعہ سلام کرکے واپس چلے گئے، حضرت عمرؓ کام سے فارغ ہوئے تو ابوموسیٰؓ کو بلایا اور دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے، انھوں نے جواب دیا کہ محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین دفعہ اجازت مانگو کوئی جواب نہ ملے تو واپس چلے آؤ، حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو، ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔(۴۳) اسی طرح سقط یعنی کسی عورت کا حمل ضائع کر دینے کے مسئلہ میں مغیرہ نے حدیث پیش کی تو حضرت عمر نے شہادت طلب کی، جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو انھوں نے تسلیم کیا۔(۴۴) حضرت عباس کے مقدمہ میں حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمر نے ثبوت طلب کیا، جب لوگوں نے تصدیق کی تو فرمایا مجھ کو تم سے بدگمانی نہ تھی، بلکہ اطمینان مقصود تھا۔(۴۵)

حضرت عمرؓ اپنے خطبوں اور تقریروں میں مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے، حتی کہ دور دراز ممالک کے حکام کو فقہی مسائل لکھ کر بھیجتے تھے۔مختلف فیہ مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کراتے تھے، اضلاع میں عمال اور افسروں کی تقرری میں ان کے فقیہ ہونے کا بھی خیال رکھتے تھے۔تمام ممالک مفتوحہ میں فقہاء مقرر کیے تھے جو احکام فقہیہ کی تعلیم دیتے تھے۔نیز حضرت عمرؓ نے فقہاء کی تنخواہیں مقرر کی تھیں جب کہ اس سے پہلے فقہاء وغیرہ کی تنخواہ کا رواج نہ تھا۔(۴۶)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے جوش ثبات اور استقلال کے باعث حضرت عمر کے دس سالہ خلافت

میں روم وایران کی عظیم الشان حکومتوں کا تختہ الٹ دیا۔تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں مل سکتی کہ چند صحرانشینوں نے اس قدر قلیل مدت میں ایسا انقلاب برپا کیا ہو۔بے شبہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے تمام عالم کو تہ و بالا کر دیا،لیکن ان کی فتوحات کو فاروق اعظم کی کشورستانی سے کوئی مناسبت نہیں۔وہ لوگ ایک طوفان کی طرح اٹھے اور ظلم وخونریزی کے مناظر دکھاتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف کو گزر گئے۔سکندر نے ملک شام میں شہر صدر فتح کیا تو ایک ہزار شہریوں کے سر کاٹ کر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے اور تیس ہزار بے گناہ مخلوق کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا،اسی طرح ایران میں اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کرا دیا، اگر ہم حضرت عمر کی دور حکمرانی پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک بھی واقعہ ظلم وتعدی کا نہیں ملتا فوج کو خاص طور پر ہدایت تھی کہ بچوں، بوڑھوں عورتوں سے مطلق تعرض نہ کیا جائے۔حتیٰ کہ سرسبز درخت تک کاٹنے کی اجازت نہ تھی۔مسلم حکام مفتوحہ اقوام کے ساتھ عدل وانصاف اور مساوات کا رویہ اپناتے تھے،جس کی وجہ سے تمام رعایا ان کی گرویدہ ہو جاتی تھی اور اسلامی حکومت کو خدا کی حکومت تسلیم کرتی تھی اور وہ خود مسلمانوں کی امداد واعانت کرتے تھے۔فتوحات شام میں خود شامیوں نے جاسوسی اور خبر رسانی کی خدمات انجام دیں۔اسی طرح مصر کے حملہ کے وقت قبطیوں نے سفر مینا کا کام کیا۔(۴۷)

حوالے وحواشی :

(۱) ابو یوسف،کتاب الخراج،ص:۱۴-۱۵۔

(۲) اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ مسلمان جو غیر ممالک تجارت کے لیے جاتے ان کو ٹیکس دینا پڑتا تھا حضرت عمر کو معلوم ہوا تو انھوں نے بھی غیر ملکی مال پر ٹیکس لگا دیا اس طرح تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ خاص کر حضرت عمر کے حکم سے قائم کی ورنہ گھوڑے مستثنیٰ تھے (فتح القدیر،حاشیہ ہدایہ،ج:۲،ص:۲۴۷)

(۳) ایضاً۔

(۴) استیعاب،تذکرہ امیر معاویہ۔

(۵) مقریزی،ج:۲،ص ۱۸۷۔اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوانے جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمر ہی کی ایجاد ہے۔چنانچہ ابو محجن ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلاوطن کر دیا گیا۔

(۶) ابو یوسف،کتاب الخراج،ص:۲۴۔

(۷) بلاذری،احمد بن یحیٰ،فتوح البلدان،ص:۴۶۴۔

(۸) دیار عرب کا ہر ایک بچہ اپنے یوم ولادت ہی سے اسلامی فوج کا ایک سپاہی تصور کر لیا جاتا تھا۔ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی ملتا تھا،تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قبیلہ میں ایک عریف ہوتا تھا اسی طرح ہر دس سپاہی پر ایک افسر ہوتا تھا جن کو امراء الاعشار کہا جاتا ہے تنخواہیں عریف کو دی جاتی تھیں وہ امرائے عشار کی معرفت فوج میں تقسیم کرتا تھا ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی، کوفہ اور بصرہ میں سو عریف تھے حسن خدمت اور کارگزاری کے لحاظ سے سپاہیوں اور افسروں کی تنخواہیں وقتاً فوقتاً بڑھتی رہتی تھیں چنانچہ زیرہ،

عصمہ اور ضی وغیرہ نے قادسیہ میں غیر معمولی جانبازی کا اظہار کیا تھا۔اس وجہ سے ان کی تنخواہ میں دو ہزار سے ڈھائی ہزار کردی گئیں۔ فتوح البلدان،ص:۱۴۸۔

(۹) ایضاً۔

(۱۰) ایضاً،جاسوس کی خدمت زیادہ تر ذمیوں سے لی جاتی تھی چنانچہ قیساریہ کے محاصرہ میں یوسف نامی یہودی نے جاسوس کی خدمت انجام دی تھی۔

(۱۱) طبری،ابوجعفرمحمد بن جریرطبری،تاریخ الرسول والملوک،ج:۳،ص:۴۳۸،دارالمعارف۔

(۱۲) ایضاً،ج:۴،ص:۳۸-۳۹۔

(۱۳) البتہ بیت المال کی عمارتیں عموماً شاندار اور مستحکم بنواتے تھے چنانچہ کوفہ کے بیت المال کو ایک مشہور مجوسی سے بنایا تھا اور اس میں فارس کی عمارت،مسالحہ استعمال کیا گیا تھا۔طبری،ج:۴،ص:۱۴-۴۴۔

(۱۴) مسجد کے سامنے دوسو ہاتھ لمبا،ایک وسیع سائبان تھا جو سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا یہ شہر حضرت عمر کے بعد میں اس عظمت و شان کو پہنچ گیا تھا کہ وہ اس کو راس اسلام فرمایا کرتے تھے،علمی حیثیت سے بھی نہایت ممتاز رہا بڑے بڑے محدث اور ائمہ علم وفن یہاں پیدا ہوئے امام نخعی،حماد،امام ابوحنیفہ اور امام شعبی اسی شہر کے گوہر تھے۔معجم البلدان،ج:۷،تذکرہ کوفہ۔

(۱۵) شبلی،مولانا شبلی،الفاروق،ص:۲۸۹،مطبع الجمعیۃ الپریس،۱۳۷۹ھ،اس شہر نے بہت جلد ترقی کرلی اور پورے مصر کا صدر مقام ہوگیا۔ یہ شہر بغداد کے ناسخ،مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے دنیائے اسلام میں یہاں سے کسی جامع مسجد علمی مجلسیں نہیں ہوتی تھیں،نہ یہاں سے زیادہ کبھی ساحل پر جہاز لنگر انداز ہوئے تھے۔

(۱۶) شبلی نعمانی،الفاروق،ص:۲۹۰۔

(۱۷) کنزالعمال،ج:۳،ص:۱۳۴۔

(۱۸) فتوح البلدان،ص:۲۷۶،عہد فاروقی میں مجلس شوریٰ کے انعقاد کا طریقہ یہ تھا کہ منادی الصلاۃ جامعۃ کا اعلان کرتا تھا لوگ مسجد میں جمع ہوجاتے تھے اس کے بعد ہر ایک کی رائے دریافت کرتے تھے۔

(۱۹) کتاب الخراج،ص:۱۱۷۔

(۲۰) کنزل العمال،ج:۶،ص:۳۵۰۔

(۲۱) ایضاً،ص:۳۵۳۔

(۲۲) شبلی،مولانا شبلی،الفاروق،ص:۲۲۶،مطبع الجمعیۃ الپریس۔

(۲۳) ایضاً،ص:۲۳۰۔

(۲۴) ایضاً،ص:۲۳۶،بحوالہ کتاب الخراج ص:۶۶۔

(۲۵) بلاذری،فتوح البلدان،ص:۲۱۹۔

(۲۶) الفاروق،ص:۲۳۷،چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور کوڑے مارے ہیں۔حضرت عمر نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اس عامل کو کوڑے لگائے۔حضرت عمرو بن العاص نے التجا کی کہ عمال پر یہ امر گراں

ہوگا حضرت عمر نے فرمایا کہ نہیں ہوسکتا کہ ملزم سے انتقام نہ لوں، عمرو بن العاص نے منت سماجت کرکے مستغیث کو راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض دو دو اشرفیاں لے کر باز آئے۔کتاب الخراج ص:۶۶۔

(۲۷) ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج:۲،ص:۴۱۸۔

(۲۸) الفاروق ص:۲۳۹۔

(۲۹) ادب المفرد، باب من یجلس خادمہ معہ اذا اکلہ۔

(۳۰) احمد بن یعقوب بن جعفر، تاریخ یعقوبی، ج:۲،ص:۱۷۷ مطبع:۱۸۸۳ء۔

(۳۱) ایضاً۔

(۳۲) فتوح البلدان ص:۴۶۰۔

(۳۳) طبری، تفصیل کے لیے دیکھیے، ج:۴، تذکرہ فتح عراق۔

(۳۴) ایضاً، تذکرہ فتح بیسان۔

(۳۵) ازدی، فتوح الشام ص:۱۳۱۔

(۳۶) فتوح البلدان ص:۱۴۳۔

(۳۷) یعقوبی، ج:۲،ص:۱۶۷۔

(۳۸) فتوح البلدان ص:۱۴۷۔

(۳۹) ابن عبدربہ، عقد الفرید، باب الکبدہ فی الحرب۔

(۴۰) کنز العمال، ج:۱،ص:۲۸۱۔

(۴۱) الفاروق ص:۴۱۲۔

(۴۲) ازالۃ الخفاء، ج:۲،ص:۶۔

(۴۳) الصحیح المسلم، باب الاستیذان۔

(۴۴) سنن ابوداؤد، کتاب الدیات، باب دیۃ الجنین۔

(۴۵) ایضاً۔

(۴۶) الفاروق ص:۴۱۸۔

(۴۷) ایضاً ص:۳۳۴۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

حُسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

● سید محمد نیر رضوی — سی ۳، رحمان اپارٹمنٹ، نیو پارس ٹولی، ڈورنڈا، رانچی (جھارکھنڈ)

قرآن شریف، ورلڈ ہسٹری کے مورخین و محققین کے لئے اصل ماخذ ہے۔ یہی حقیقت ہے کیونکہ رب العالمین اور مالک یوم الدین کی اس مقدس کتاب میں درج آیات مبارکہ اور اُن کی تفصیلات وتشریحات اور تفسیرات میں تخلیق آدم سے لے کر روز قیامت اور اُس کے بعد تک کے لئے جن حکایات و واقعات، زمان و مکان، تاریخی مقامات وشخصیات اور قدیم و جدید کے حالات و بیانات شامل ہیں وہ سب کے سب من وعن ویسے ہی رونما ہوتے جارہے ہیں، جیسا کہ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے۔قرآن شریف کو مراجع ومصادر کا مرکز تصور کرنے والے مورخین و محققین پر ممکن ہے کہ یہ الزام عائد کردیا جائے کہ یہ سبھی سائینٹفک نہ ہوکر عقیدت مندی کی بنیاد پر ''عقیدت پسند'' لوگ ہیں۔لہٰذا جن مورخین و محققین نے قرآن کے بغیر دیگر مراجع ومصادر کا سہارا لیا اور تحقیق کی دیگر حکمت عملی اور مروّجہ اصولوں کو اپنایا اور جن جواز و استجابت کا دامن تھاما، اُنہوں نے بھی اپنی تحقیق کی روشنی میں وہی ثابت کیا جو عقیدت پسند مورخین نے ثابت کیا۔مثلاً قرآن سے وابستہ مورخین نے تحقیق کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ کی وہی مکمل حقیقت پیش کی جسے قرآن کے بغیر دیگر مراجع ومصادر کی روشنی میں غیر عقیدت مند مورخین نے پیش کیا یعنی ''غرق فرعون کا واقعہ بحر قلزم میں پیش آیا''۔قرآن کے مطابق اللہ نے فرعون کی لاش کو رہتی دنیا تک کے لئے باعث عبرت بنا ڈالا چنانچہ آج بھی فرعون کی لاش قاہرہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے، بس ناک غائب ہے۔ اس مشترکہ تحقیقی نتائج کے منظر عام پر آنے کے بعد قرآن شریف سے ایک اور زندہ مثال دیکھئے۔حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے ہی کعبہ کی بنیاد رکھی مگر ہزاروں سال گذر جانے کی وجہ سے نشانات باقی نہ تھے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بذریعہ وحی خانہ کعبہ کے جگہ کی نشاندہی کی۔حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ نے اُس جگہ کی کھدائی کی تو پرانے نشانات مل گئے۔ چنانچہ دونوں نے اُسی کے مطابق کعبہ کی چہار دیواری مکمل کی۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے جبل ابی قبیس سے حج کی دعوت دی۔آج تک حج کے موقع پر لاکھوں کی تعداد میں بندگان خدا پوری دنیا سے یہاں

"لبيك اللهم لبيك" کی صدا بلند کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں اور فریضہ حج ادا کرتے ہیں۔غرض ثابت ہوا کہ قرآن، ورلڈ ہسٹری کا اصل ماخذ ہے۔کیوں نہ ہو! استناد کے سلسلہ میں قرآن (سورۂ بقرہ) ہی کا بیان ہے:

''یہ کتاب ایسی ہے جس پر کچھ شک نہیں (اُس کے کلام الٰہی ہونے میں) پرہیزگاروں کے لئے راہ ہدایت ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ یوسف میں فرمایا:

''اگلے لوگوں کو ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے عبرت ہے۔ یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جارہا ہے بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں انہیں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے''۔

قران شریف کے بیان ''لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ'' اور ''مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى''کے بعد اب قرآن کو مستند ماخذ تسلیم کرتے ہوئے تخلیق کائنات اور انسان کی تخلیق کے سلسلہ میں یہ تحقیق رونما ہوئی کہ جب خدائے کن فکاں نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ کیا تو فرشتوں نے اعتراض کیا:

''اور آپ کے رب نے جب فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں تو فرشتے کہنے لگے: کیا آپ ایسے لوگوں کو پیدا کریں گے جو فساد برپا کریں گے اور خون ریزیاں کریں گے؟ اور ہم تیری خوبیاں پڑھتے رہتے ہیں اور تیری پاک ذات کو یاد کرتے ہیں''۔۔۔(سورۂ بقرہ)

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''میں اُس بات کو جانتا ہوں جسے تم نہیں جانتے''۔۔۔(سورۂ بقرہ)

آج ۱۴۰۰ سال سے زاید کا عرصہ گذر گیا۔اہل علم وفہم، اس آیت مبارکہ: اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۳۰ پر سے جس قدر پردہ اُٹھانے کی سعی کرتے ہیں اُسی قدر یہ راز افشاء ہونے کی بجائے مزید گہرا ہوتا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سعی خاص کی بدولت علم وفہم اور عقل و دانش کے نئے نئے باب کھلتے جاتے ہیں۔شاید یہ بھی راز کا ایک حصہ ہو! بہرحال یہ راز، خالق حقیقی کا راز ہے اور بس وہی رب ذوالجلال اس راز سے واقف ہے۔اللہ کی نگاہ میں یہ راز کس قدر مستحکم، پاکیزہ اور وزن دار ہے کہ فرشتے اپنے اعتراض کو درکنار کرتے ہوئے کہہ اُٹھتے ہیں کہ:

''ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے۔ بیشک تو ہی بڑا علم والا اور حکمت والا ہے''۔۔۔(سورۂ بقرہ)

پھر قرآن کا قول ہے کہ:

''اور جس وقت ہم نے فرشتوں (اور جنوں) کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدے میں گر جاؤ، سو ابلیس کے سوا سب سجدہ ریز ہوگئے اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا''۔۔۔(سورہ بقرہ)

بقول علامہ اقبال، ابلیس کے لئے حضرت جبریل کا اظہار تاسف یوں تھا:

کھو دیئے انکار سے تو نے مقامات بلند ۞ چشم یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو

اور پھر ابلیس نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو بہکایا، دونوں نے اس کے بہکاوے میں آکر اپنے لئے قیام جنت کو مشکل بنالیا۔ اللہ نے کہا ''تم دونوں جنت سے اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے (آدم اور ابلیس) کے دشمن ہو گئے۔ اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانہ ہے''۔ پھر حضرت آدم اور حضرت حوّا نادم ہوئے۔ توبہ کی:

''اے پروردگار! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں ہو جائیں گے''۔ (سورہ بقرہ)

اللہ نے توبہ قبول کی۔ یہ پہلی مقبول دعا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ پھر کرۂ ارض نے دونوں کا استقبال کیا:

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں ۞ یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں

ابلیس کی جانب سے انسانوں کو گمراہ کرنے کا یہ سلسلہ جو شروع ہوا ہے وہ اب قیامت تک بند نہیں ہوگا مگر خدا کے نیک بندے شیطان کی گمراہی کا شکار نہیں ہوں گے۔ حضرت آدم اور حضرت حوّا سے انسان کی افزائش نسل کا سلسلہ شروع ہوا۔ قرآن میں حضرت آدم کا تذکرہ پچیس آیات میں پچیس بار آیا ہے۔ قوی قیاس کے مطابق یہ عہد، جہاں پتھر کے اوزار پائے گئے یعنی میسولیتھک عہد تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت آدمؑ ہندوستان کے جزیرۂ سراندیپ (موجودہ سری لنکا) میں ''بوذ'' پہاڑ پر اُترے تھے۔ اس طرح آپ ابوالبشر ہیں جن کی وفات ۹۳۰ سال میں ہوئی۔ اس دوران انسانی آبادی کرۂ ارض پر تیزی سے پھیلنے لگی۔ ابلیس اپنا کام کرتا رہا۔ سرکشی، نافرمانی، بدنیتی، دھوکہ بازی، دروغ گوئی اور قتل وغارت گری سمیت کئی طرح کی برائیوں نے ابھی ابھی نئے اُبھرتے معاشرہ میں اپنی اپنی جگہ بنانی شروع کردی۔ معاشرہ جیسے جیسے ترقی کرتا گیا، اچھائی اور برائی، نیکی اور بدی، فرمانبرداری اور نافرمانی اور ''ظلم وزیادتی اور عدل وانصاف'' کے درمیان کشمکش بھی بڑھتی چلی گئی۔ حضرت آدمؑ کے بعد اُن کے بیٹے حضرت شیثؑ ان کے جانشین ہوئے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے بھی اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے، ہر اُمت میں اپنے رسولوں کے بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا۔

''ہر اُمت کے لئے ایک رسول ہوا ہے''۔ (سورہ یونس: ۱۰/۴۷)

چنانچہ رسولوں کی تعداد کم وبیش ۳۱۳ یا ۳۱۵ بتائی جاتی ہے اور انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ اس عرصہ ہائے دراز میں معاشرہ منظم ہوا، زبانوں اور بولیوں نے فروغ پایا۔ معاشرہ مزید بیدار ہوا۔ مختلف علوم ظہور میں آئے۔ دنیا کے طول وعرض میں دور دور تک آبادیاں بسنے لگیں اور ذریعہ معاش کے لئے نت نئے علوم وفنون نمایاں ہونے لگے۔ یہاں تک کہ حضرت ادریسؑ بطور نبی تشریف لائے اور اُنہوں نے تقریباً ۲۰۰ شہر آباد کئے۔ علم نجوم اور علم حکمت کا بھی آغاز ہوا۔

آپ ہی کے عہد میں ''قلم'' کا استعمال شروع ہوا۔اعداد وشمار اور حساب وکتاب بھی وجود میں آیا۔حضرت ادریسؑ اپنی اُمت کے لئے اصلاحی اقدامات کئے جانے کے سلسلہ میں کامیاب ہوئے۔اُنہوں نے معاشرہ کو عمل کے نقطہ نظر سے تین حصوں میں تقسیم کیا۔کاہن، بادشاہ اور رعیت۔انہوں نے اپنے ملک کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ میں حاکم مقرر کیا۔دینی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت میں بھی نکھار پیدا ہوا۔مثلاً صرف اللہ کی ذات پر ہی ایمان لانا اور اُسی کی پرستش کرنے کا حکم، ہر کام میں عدل و انصاف، طہارت کا قایم کرنا، مقررہ طریقہ پر عبادت کرنا۔ہر ماہ ۱۳، ۱۴، اور ۱۵ کو روزہ رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور رکنا، سور اور نشہ آور اشیا کے استعمال سے پرہیز کرنا۔عمل صالح میں خلوص نیت، اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا، صبر کرنا اور مخلوق پر احسان کرنا وغیرہ۔مگر المیہ یہ ہے کہ معاشرہ میں جس قدر شعور بڑھتا جاتا، برائیوں کے گراف میں اُسی قدر اضافہ ہوتا جاتا اور قوم کی حالت مزید بگڑتی جاتی۔مسلسل بگڑتی ہوئی صورت حال کا اب یہ عالم تھا کہ اصنام پرستی شروع ہوگئی۔اصلاح کی ضرورت پہلے سے زیادہ محسوس کی جانے لگی۔اسی اثناء میں حضرت نوحؑ تشریف لائے۔معاشرہ اس قدر ترقی پزیر تھا کہ تہذیبیں وجود میں آنے لگیں۔مگر برائیاں بھی اُسی تناسب سے وجود میں آنے لگیں۔قوم بت پرست ہوگئی یعنی شرک اور کفر میں مبتلا ہوگئی جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور ناقابل معافی گناہ ہے۔حضرت نوحؑ ساڑھے نو سو برس تک دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیتے رہے مگر اس طویل عرصہ میں محض چالیس افراد پر مشتمل ایک چھوٹی سی جماعت ہی ایمان پر قایم رہ سکی۔جب اصنام پرستی، تکبر اور دیگر اخلاقی برائیاں ختم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی چلی گئیں اور قوم نوحؑ اپنی ضد اور دشمنی پر قایم رہی اور یہاں تک کہ اُنہوں نے کہہ دیا کہ:

''اے نوحؑ! تو نے ہم سے بحث کرلی۔اب تو ہمارے پاس وہ عذاب لے آ جس کی تو ہمیں دھمکیاں دیتا ہے۔اگر تو سچا ہے''۔۔۔(سورہ ھود:۳۲/۱۱)

تب حضرت نوحؑ نے اللہ سے دعا کی :

''اے میرے رب! میں مغلوب ہوا میری مدد فرما''۔۔۔(سورہ قمر:۱۰/۵۴)

دعا قبول ہوئی۔ایسا سیلاب آیا کہ پوری قوم غرق ہوگئی۔بس چند ایمان والے، خاندان والے اور جانوروں کے ایک ایک جوڑے بچ گئے جو حضرت نوحؑ کی بنائی کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔یہاں تک کہ اُن کا سرکش بیٹا بھی والد کے کہنے کے باوجود کشتی میں سوار نہ ہوسکا اور ہلاک ہوگیا۔یہ سیلاب میسوپوٹیمیا (دجلہ اور فرات دو دریاؤں کے درمیانی علاقہ کو میسوپوٹیمیا یعنی مابین النہرین کہا جاتا ہے) اور وسط عراق میں آیا تھا۔انسانی آبادی جو برباد ہوگئی تھی پھر اسی علاقہ میں اس کے نو آباد ہونے کا سلسلہ شروع ہوا جو پھیلتے پھیلتے تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار کیلومیٹر کے رقبہ میں یہ انسانی آبادی دوبارہ بس گئی۔قوم نے دنیاوی اعتبار سے یقیناً ترقی کی۔بڑے بڑے مکانات، باغ، چشمے، سرسبز وشاداب علاقے، مویشی وغیرہ وغیرہ مگر قوم میں وہ تمام برائیاں دوبارہ مستحکم ہوگئیں اور اُس نے اُسی طرح اپنی جڑوں کو دوبارہ مضبوط کرلیا جس طرح حضرت نوحؑ کے عہد میں مضبوط ومستحکم تھیں۔

مالک حقیقی، الرحمان الرحیم نے بھی اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے رسولوں کو پھر سے بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا۔حضرت ھودؑ تشریف لائے۔آپ کی دعوت وتبلیغ کے باوجود قوم میں بت پرستی، تکبر اور دیگر اخلاقی برائیاں قایم رہیں۔چنانچہ آپ نے بھی دعا کی۔دعا قبول ہوئی۔ایسا تیز طوفان آیا کہ اُس نے آبادی مٹاڈالی۔علاقے کھنڈرات میں منتقل ہو گئے۔جو لوگ حضرت ھودؑ کے ساتھ بچ گئے، اُن سے پھر دنیا آباد ہوئی، ترقی ہوئی۔یہ قوم رفتہ رفتہ دولت مند بن گئی۔فن تعمیرات میں ماہر تھی، عالی شان محلوں کی تعمیر، پہاڑوں کو تراش کر مکانات بنا دینا جیسے فنون میں مہارت تھی۔مگر یہ قوم بھی پچھلی قوموں کی طرح بت پرست تھی۔شرک، کفر، عورتوں کے تئیں بدنیتی، گھمنڈ، ظلم وزیادتی، علانیہ سرکشی اور دیگر اخلاقی برائیوں کے دلدل میں پھنستی جارہی تھی۔اللہ نے پھر حضرت صالحؑ کو ہدایت کے لئے بھیجا مگر قوم پر کچھ اثر نہیں ہوا بلکہ قوم نے حضرت صالحؑ کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا۔ اس طرح اس قوم نے بھی پچھلی قوموں کی طرح کہہ دیا :

"ہم تو اس شئے کا جس پر تمہارا ایمان ہے، انکار کرتے ہیں"۔۔۔(سورۂ اعراف:۷۶/۷)

پھر نبوت کے ثبوت لئے معجزہ کی مانگ کرنے لگے۔حضرت صالحؑ نے دعا کی۔پہاڑ سے ایک اونٹنی نکل آئی جسے " ناقتہ اللہ " بھی کہتے ہیں۔منع کرنے کے باوجود قوم ثمود نے اس اونٹنی کو مار ڈالا۔پھر حضرت صالحؑ نے رنجیدہ ہو کر کہا :

"تم تین دنوں تک اپنے گھروں میں اور بسر کرلو۔یہ وعدہ ذرا جھوٹا نہیں"۔۔۔(سورۂ ھود:۶۵/۱۱)

آخر کار زلزلہ کی شکل میں اللہ کا عذاب آیا اور قوم تباہ ہوگئی۔حضرت صالحؑ اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر اظہار تاسف کرتے ہوئے ان علاقوں سے ہجرت کر گئے اور ایک تحقیق کے مطابق فلسطین کے زرخیز علاقہ "رملہ" چلے گئے۔ابھی تک دنیا کے زیادہ تر علاقوں میں انسانی آبادی بس چکی تھی۔جن جن خطوں میں اور جن جن قوموں میں اصلاح اور ہدایت کی سخت ضرورت تھی، وہاں وہاں انبیاؑ آتے رہے۔کبھی کبھی ایک ہی وقت میں اور ایک ہی خطہ پر ایک اور کبھی ایک سے بھی زیادہ ہادی کو بھیجا گیا۔پھر حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے۔حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان تین ہزار سال کا فاصلہ ہے۔اس عرصہ میں جو قوم کرہ ارض پر پھر آباد ہوئی وہ پچھلی قوموں کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ تھی۔علوم وفنون، زراعت اور اقتصادیات کی ترقی نمایاں تھی۔معاشرہ قبیلوں میں منقسم ہو رہا تھا۔بادشاہوں کی بادشاہت مستحکم ہو رہی تھی۔مگر المیہ یہ تھا کہ اس قوم میں بھی متذکرہ برائیوں کا تناسب پچھلی قوموں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھا۔پوری کی پوری قوم بت پرست تھی۔حضرت ابراہیمؑ نے اس نامساعد صورت حال میں توحید کی دعوت دی مگر وہ قوم کی بے جا ضد اور سرکشی سے عاجز تھے۔پھر تو ایک دن یوں ہوا کہ :

"پھر اُنہوں نے ان (بتوں) کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا مگر اُن کے بڑے دیوتا کو چھوڑ دیا تا کہ وہ دریافت کرنے کے لئے اس کی طرف رجوع کریں"۔۔۔(سورۂ انبیاء:۵۸/۲۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور بہت اہم دور ہے۔یہ زمانہ ۴۰۰۰ قبل مسیح کا زمانہ ہے۔بادشاہ وقت نمرود تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمائشوں کے دور سے گذرنا پڑا۔نمرود نے اُنہیں ایک بار آگ میں جھونک دیا مگر اُن کے عزم راسخ اور عشق حقیقی کی وجہ سے آگ گلشن میں تبدیل ہوگئی :

''اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں''۔۔۔(سورۂ انبیاء:۶۹/ ۲۱)

علامہ اقبالؒ نے والہانہ عشق کے اس حیرت انگیز واقعہ کو بہت خوب بیان کیا ہے :

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق ۞ عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

حضرت ابراہیمؑ کی تبلیغ کا جب کوئی اثر نہیں ہوا تو وہ اپنی اہلیہ سارہ کے ساتھ ہجرت کر گئے۔مگر حضرت ابراہیم کے سامنے ابھی عشق کے امتحان اور بھی تھے۔حکم الٰہی کے مطابق اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور شیر خوار بچہ (حضرت اسمٰعیلؑ) کو بے آب وگیاہ بیابان میں چھوڑ دیا۔پھر آزمائش! حکم الٰہی کے مطابق جب حضرت اسمٰعیلؑ بڑے ہوئے تو باپ نے بیٹے کی قربانی دے دی۔رحمت الٰہی پھر جوش میں آئی :

''ہم نے اُن کو آواز دی اے ابراہیم! تو نے خواب سچا کر دکھایا۔ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا''۔۔۔(سورۂ صٰفٰت : ۱۰۵،۱۰۹/ ۳۷)

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے پھر حکم الٰہی کے مطابق خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور حج کی دعوت دی۔اُن کی وفات ۱۷۵ سال میں ہوئی۔حضرت اسمٰعیلؑ بھی نبی تھے۔ان کی اولاد شام، عراق، فلسطین اور مصر وغیرہ علاقوں میں پھیل گئی۔حضرت اسمٰعیلؑ کی وفات ۱۳۶ سال میں ہوئی۔پھر حضرت اسحٰقؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسف اور حضرت شعیبؑ کا دور یکے بعد دیگرے آتا گیا۔حضرت یوسفؑ اور اُن کے والد حضرت یعقوبؑ کی اولاد ''بنی اسرائیل'' کہلائی۔ان ادوار میں دولت کی فراوانی رہی۔تمام انبیاء کرامؑ، زمان ومکان اور ضرورت کے لحاظ سے مختلف قسم کے اوصاف جمیلہ سے مزین تھے۔سبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بالترتیب اپنی اپنی قوموں کو دین حق کی تعلیم دی۔معاشرہ کی اصلاح کے لئے اقدامات کئے۔ہدایت پانے والوں نے ہدایت بھی پائی۔مگر قوموں سے بت پرستی، شرک، تکبر، ظلم وزیادتی، بد اخلاقی اور نافرمانی نہیں جاسکی بلکہ مزید چند برائیوں نے جنم لے لیا جیسے بدفعلی شروع ہوگئی۔قوم لوط میں اغلام بازی اور قوم شعیب میں ناپ تول میں دھوکہ بازی وغیرہ برائیوں کی وجہ سے معاشرہ مزید انحطاط پزیر ہوا۔ابھی تک بدنیتی کے زیادہ تر معاملات مردوں کی جانب سے رونما ہو رہے تھے مگر اب بدنیتی کے معاملات عورتوں کی جانب سے بھی رونما ہونے لگے۔حضرت یوسفؑ نہایت حسین وجمیل تھے اسی لئے ''حُسن یوسف''، مشہور ہوا۔وہ اس قدر حسین وجمیل تھے کہ بادشاہ وقت کی بیوی زلیخا کی نیت خراب ہوگئی۔اس طویل عرصہ کے دوران مختلف قوموں پر مختلف قسم کے عذاب بھی آئے۔حضرت ابراہیمؑ کی جو اولاد نبوت سے نوازی گئی اُن میں حضرت یعقوبؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون علیہم السلام قابل ذکر ہیں۔حضرت

موسیٰ علیہ السلام کا دور بڑی اہمیت کا حامل رہا۔ بادشاہ وقت فرعون تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔اس دور میں بڑے بڑے جادوگروں نے جنم لے لیا تھا۔ چنانچہ بحکم الٰہی حضرت موسیٰؑ پیغام حق سنانے اور دین حق کی دعوت وتبلیغ کے لئے کمر بستہ ہوئے تو اللہ رب العزت نے اُنہیں چند معجزات عطا کئے اُن میں ایک معجزہ ''ید بیضا'' بھی تھا۔ جب حضرت موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کا کوئی اثر فرعون پر نہیں ہوا تب عذاب الٰہی آیا۔ فرعون مع لشکر دریا میں غرق ہوگیا۔ حضرت موسیٰؑ کی وفات ۱۲۰ برس کی عمر میں ۱۲۷۲ قبل مسیح میں ہوئی۔ اس طرح حضرت ابراہیمؑ سے حضرت موسیٰؑ کا دور تقریباً تین ہزار برسوں پر محیط نظر آتا ہے۔ قرآن شریف میں ان انبیاء کرام علیہم السلام کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ دیگر انبیاء/رسول/مقدس اور متبرک شخصیات، اُن کے اوصاف حمیدہ اور اُن سے وابستہ حالات وواقعات کا تذکرہ بھی قرآن میں نہایت باوقار طریقہ سے ملتا ہے جیسے حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کے مکالمات، حضرت یوشع بن نونؑ کا فتح ارض مقدس، حضرت الیاسؑ جن کو ستایا بھی بہت گیا اور جن کی عزت بھی بہت ہوئی۔ جن کے زمانہ میں ''بعل'' یعنی سورج کی پوجا بطور دیوتا اور اُس کی بیوی ''عستارات'' کی پوجا بطور دیوی شروع ہوئی۔ حضرت الیسعؑ جنہوں نے حضرت الیاسؑ کی تربیت میں بارہ سال دین کا کام کیا اور اُن کی وفات کے بعد اپنے ہمنوا کے ساتھ مل کر حکومت وقت سے جنگ کی۔ بعل کی بت پرستی کا بظاہر خاتمہ کیا مگر وہ دیگر اخلاقی برائیوں کو نہیں ختم کر سکے۔ حضرت داؤدؑ اور اُن کے بیٹے حضرت سلیمانؑ دونوں نبی تھے جن کو اللہ نے نبوت بھی عطا کی اور حکومت بھی عطا کی۔ چرند و پرند کی بولیاں سمجھتے تھے۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ جنوں پر بھی قبضہ تھا۔ قرآن میں حضرت ایوبؑ اور حضرت یونسؑ کی آزمائش اور اُن کے صبر کا خصوصی تذکرہ ہے۔ اسی طرح حضرت ذوالکفلؑ، حضرت عزیرؑ، حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کا ذکر بھی بطور خاص موجود ہے۔ اب حضرت عیسیٰؑ کا دور آتا ہے۔ جہاں سے عیسوی سال کا آغاز ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ خاندان بنی اسرائیل سے تھے اور بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ اُن کی پیدائش معجزانہ طریقہ سے ہوئی۔ آپ کی والدہ بی بی مریم گوشہ نشیں تھیں کہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں نمودار ہوا۔ وہ گھبرا گئیں اور کہنے لگیں :

''میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تو خدا ترس ہے تو یہاں سے ہٹ جا۔ فرشتے نے کہا: میں تیرے رب کا فرشتہ ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ مریم کہنے لگیں مجھے لڑکا کس طرح ہوگا جب کہ کسی بشر نے مجھے چھوا تک نہیں ہے اور میں کوئی بدکار بھی نہیں ہوں'' ___ (سورہ مریم: ۲۰۔ ۱۸/۱۹)

اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کو معجزات عطا کئے :

''نیز میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھوں اور برص (کوڑھ) کے مریضوں کو اچھا کرتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور تمہیں بتا دیتا ہوں کہ تم گھر سے کیا کھا کر آئے ہو اور کیا باقی رکھ کر آئے ہو۔ بلاشبہ ان معجزات میں میری نبوت کی کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لئے۔ اگر تم ایمان لانا چاہو'' ___ (سورہ آل عمران: ۴۹/ ۳)

حضرت عیسیٰؑ جب نبوت سے سرفراز ہوئے اور اُن پر وحی آنی شروع ہوئی تب اُنہوں نے ایک پہاڑی سے خطبہ

دیا جسے ''سرمن آف دی ماؤنٹ'' کہتے ہیں۔ پھر یہودی قوم کے درمیان دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ حوارین اور عام عوام میں اثر دکھنے لگا اور مقبولیت بڑھنے لگی۔ اُس وقت یہودیوں کے دونوں گروہ فریسی اور صدوقی اور اُن کے پریسٹس نے مخالفت شروع کردی۔ پریسٹس یعنی کاہنوں کی دینی برتری خطرہ میں پڑگئی کیونکہ اُنہیں اختیار تھا کہ وہ حلال کو حرام کردیں اور حرام کو حلال کردیں۔ وہ جسے چاہتے جنت کا پروانہ عطا کرتے اور جسے چاہتے جہنم کی سند دے دیتے۔ اس طرح معاشرہ میں اب مذہبی برائیاں دراندازکرنے لگیں۔ جب آپ نے پیغام حق دیا تو آپ کے دشمنوں کی تعداد بڑھنے لگی یہاں تک کہ حکومت وقت کو بھی خطرہ محسوس ہونے لگا۔ آخر کار گرفتار کر لئے گئے۔ حکومت کے سپاہیوں، یہودیوں بلکہ حواریوں نے بھی آپ کو صلیب پر چڑھا کر زخمی کیا اور قتل کر دیا۔ حالانکہ قتل نہیں ہوا۔ اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اُٹھالیا جن کا نزول قیامت کے قریب ہوگا۔

ورلڈ ہسٹری کے اوراق شاہد ہیں کہ روز اوّل بوقت تخلیق آدمؑ فرشتوں کی جانب سے واضح کردیا گیا تھا کہ انسان فساد برپا کرے گا۔ مگر راز الٰہی اسی آیت مبارکہ: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۳۰ میں مضمر ہے۔ مشمولات بالا نے ثابت کر دیا کہ جب جب برائیاں بڑھیں اور جہاں جہاں برائیاں بڑھیں، اللہ نے اپنے بندوں کے لئے ہدایت کا بہتر انتظام کیا۔ ہر زمانہ میں زمان ومکان اور وقت کی ضروریات کے لحاظ سے اُن کے لئے رسولوں، انبیاء اور دیگر نیک شخصیتوں کو بطور ہادی مبعوث فرمایا۔ متذکرہ بیانات یہ بھی بیان کر رہے ہیں کہ پیغام حق کی رسائی کے لئے ہر نبی اور ہر رسول وقت کی ضرورت کے مطابق اوصاف حمیدہ سے مزین تھے۔ جسے توفیق ہوئی وہ راہ راست پر آ گیا اور جسے توفیق نہ ہوسکی وہ ہلاک ہوگیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد عالمی سطح پر بالخصوص مکہ اور دیگر خطہ عرب کی مذہبی، سماجی، سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی صورت حال مکمل طور پر تنزلی کا شکار ہوگئی۔ اس وقت معاشرہ میں ہر وہ برائی نہایت مضبوطی سے سرایت کرگئی جو حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کے ادوار میں موجود تھی۔ چنانچہ اب وقت کا تقاضہ تھا کہ مالک حقیقی اپنے بندوں کی ہدایت کے واسطے ایک ایسے نبی اور ایک ایسے پیغمبر کو بطور ہادی مبعوث کرے جو خود میں اب تک مبعوث کئے گئے تمام نبیوں اور رسولوں کے تمام تر اوصاف حمیدہ رکھتا ہو۔

حُسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ۞ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہاں پر یہ بیان کرنا بے جا نہ ہوگا کہ غیر اسلامی مورخین کی سائنٹیفک تحقیق کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ رب العالمین نے رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہمارے لئے نبیؐ بنا کر بھیجا جو کسی خطہ، یا کسی مخصوص قوم کی جانب نہیں بھیجے گئے بلکہ پوری دنیا کے لئے ''پیغمبر اسلام'' اور ''نبی آخر الزماں'' بنا کر بھیجے گئے۔ الحمد للہ رب العالمین! اور رب العالمین نے کہہ دیا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝۱۰۷ یعنی ہمارے پیغمبر اسلامؐ پوری دنیا کے لئے ''رحمت'' بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

چنانچہ ''جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند'' حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول بروز پیر ۵۷۱ء کو صبح صادق کے وقت مکہ معظمہ میں ہوئی۔ آپ قبیلہ قریش سے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام آمنہ اور والد کا نام عبد اللہ تھا۔ بچپن میں

ہی یتیم ہو گئے ۔ چچا ابو طالب نے پرورش کی ۔ جزیرۃ العرب کے سیاسی حالات میں سخت اضطراب و انتشار تھا۔ سماجی حالات انتہائی زوال اور انحطاط کے شکار تھے ۔ انسان مالک اور غلام میں منقسم تھا۔ انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی تھی۔ عیش و عشرت، شہوت اور ظلم و ستم جیسی انحطاط پزیر اقدار عام روش بن گئی تھی۔ عورتوں کی بے حرمتی، قبائلی جھگڑے، نسلی فسادات، اور مذہبی اختلافات بہت بڑھے ہوئے تھے ۔قوم بت پرست تھی۔ اس طرح ''حق'' پر ''باطل'' کا زبردست سایہ پڑ چکا تھا۔ اس زوال پزیر حالات میں آپ ﷺ نے ہوش سنبھالا۔ جب بڑے ہوئے تو تجارتی قافلہ کے ساتھ آپؐ نے بھی سفر شروع کیا۔ ایک بار تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کے سفر پر تھے کہ بصرہ کے مقام پر بحیرہ نامی عیسائی راہب نے آپ ﷺ کی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھی اور آپؐ کے نبی ہونے کی پیشنگوئی کی۔ آگے خطرہ کے اندیشہ سے اس نے چچا ابو طالب سے کہا کہ اُنہیں واپس بھیج دو۔ حضرت سلمان فارسیؓ جو پہلے مجوسی تھے اور بعد میں عیسائی ہوئے، وہ مدینہ منورہ میں آپؐ کی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھ کر ہی مسلمان ہوئے تھے ۔حضرت خدیجہؓ کا سامان تجارت لے کر جب شام کے سفر پر دوبارہ گئے تو بی بی خدیجہؓ نے آپؐ کے ساتھ اپنے غلام میسرہ کو بھی روانہ کر دیا۔ سفر کی واپسی پر غلام میسرہ نے آپؐ کے اُن اوصاف حمیدہ کا تفصیل سے ذکر کیا جو اُنہوں نے دوران سفر دیکھا اور مشاہدہ کیا۔ آپؐ نہایت حسین و جمیل تھے بقول حکیم شعیب رضوی نیر پھلواروی :

ہلال عیدم ابروئے محمدؐ ۞ صباح عشرتم روئے محمدؐ

محض پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہوا۔ مکہ سے قریب چھ میل کے فاصلہ پر جبل نور کے غار حرا میں حضرت جبرئیلؑ پہلی وحی سورۂ علق (اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ) کی ابتدائی پانچ آیتیں لے کر رمضان المبارک ۶۱۰ء میں بوقت صبح تشریف لائے اور آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت خدیجہؓ، حضرت ابو بکرؓ حضرت علیؑ اور حضرت زید بن حارثہؓ کو اولین ایمان لانے والوں کا شرف حاصل ہوا۔ کوہ صفا سے قریب ''دار ارقم'' پہلا دینی مرکز بنا۔ نبوت کے بعد تین سال تک خموشی سے دعوت ہوتی رہی۔ پھر قریبی رشتہ داروں کو دعوت دی گئی :

''آپ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں''۔۔۔(سورۂ شعرا: ۲۶/۲۱۴)

پھر مشفق چچا ابو طالب کی حمایت حاصل ہوگئی۔ اب کوہ صفا سے اہل قریش کو علانیہ دعوت دی گئی۔

''پس آپ کو جو حکم کیا گیا ہے اُس کو کھلم کھلا کہہ دیجیے اور اُن مشرکوں کی پرواہ نہ کیجیے''۔۔۔(سورۂ حجر: ۱۵/۹۴)

چنانچہ حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ مسلمان ہوئے ۔ نجاشی بادشاہ کے سامنے حضرت جعفرؓ کی مدلل اور عالمانہ تقریر ہوئی۔ اب مسلمانوں پر اہل قریش کا ظلم شروع ہو گیا مگر لوگ نبی آخر الزماںؐ کا کلمہ پڑھتے چلے گئے، توحید کا اقرار کرتے رہے، خاتم الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتے چلے گئے ۔ مسلمان ہوتے گئے اور ظلم و ستم کا مقابلہ کرتے گئے۔ ہر وقت مدافعت ہوتی رہتی ۔ رحمت عالم ﷺ پر بھی ستم شروع ہو گیا۔ آزمائشوں کا دور شروع ہو گیا۔ شعب ابی طالب میں تین سال

تک سوشل بائیکاٹ کے بعد بھی طرح طرح کی عداوتوں سے نبرد آزما ہوتے رہے۔ کفار مکہ نے جب گھر گھیر لیا تب مکہ سے ۲۷ صفر سن ۱۴ نبوت بمطابق ۱۲-۱۳ ستمبر ۶۲۲ء کی درمیانی رات کو ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ یہیں سے ہجری سال کا آغاز ہوتا ہے۔ اور مکّی زندگی کے بعد یہیں سے مدنی زندگی کا بھی آغاز ہوتا ہے۔ اب اہل ایمان کی قوت میں بھی اضافہ ہو چکا تھا۔ انصار و مہاجر باوقار طور پر اسلام کی خاطر متحد ہو گئے۔ اُدھر اہل قریش کی سرکشی بھی مزید بڑھنے لگی۔ چنانچہ غزوات کا سلسلہ شروع ہوا۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے علاوہ کئی چھوٹی بڑی جنگیں ہوئیں۔ مگر اہل قریش کی سرکشی تھی کہ ختم نہیں ہو رہی تھی۔ ایمان کی دعوت کا سلسلہ جاری ہے اور آپ ﷺ پر اور دوسری طرف اہل ایمان پر ظلم و ستم کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ مگر اللہ آپؐ اور اہل ایمان کی مدد فرماتا رہا۔ پیٹرن بالکل وہی ہے جو پچھلی قوموں کے نبیوں کے تھے۔ برائیاں تھمنے کا نام نہیں لے رہی ہیں۔ عداوتیں بڑھتی جارہی ہیں مگر خوش آیند خبر یہی ہے کہ اسلام اور دینی تعلیمات کا بھی فروغ ہو رہا ہے۔ پچھلی اُمتوں کے نبیوں اور ہمارے نبیؐ میں نمایاں فرق یہ تھا کہ اہل قریش کی مسلسل بڑھتی ہوئی سرکشی اور اُن کی جانب سے کئے جانے والے شدید ظلم و ستم کے باوجود آپؐ نے کبھی بھی اپنی اُمت کے لئے کوئی ایسی دعا نہیں کی جس سے آپؐ کی اُمت عذاب الٰہی سے دو چار ہو جائے آپؐ کی نبوت کے اعلان کے بعد اب پوری دنیا کے تمام لوگ (ہر شخص) آپؐ کی اُمت میں ہے آپؐ کی اُمت قیامت تک کے لئے آخری اُمت ہے اور آپؐ قیامت تک کے لئے آخری نبیؐ ہیں۔ پھر ''رب العالمین'' نے آپ ﷺ کو ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر بھیجا ہے۔ ''وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا'' تمام انبیائے کرامؑ کے مقابلہ میں آپؐ کی ایک اور امتیازی شان یہ تھی کہ آپ ﷺ کو معراج نصیب ہوئی جہاں نمازوں کی فرضیت کا تحفہ ملا۔ سورۂ ''اسراء'' کے سیاق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ معراج، آپؐ کی مکّی زندگی کے آخری دور میں پیش آیا تھا۔

میان حق و خلق ذات محمد ۞ چو در لفظ اللہ حرف مشدد
بمعراج تو اے رسول مکرم ۞ شدہ فرش راہ تو عرش مجد

—(حضرت علی حبیب نصر پھلواروی)

اللہ نے آپ ﷺ کو بہت سارے معجزات بھی عطا کئے تھے جن کا اظہار بوقت ضرورت ہوا کرتا تھا۔ غرض پیغام حق کی رسائی کے سفر میں آپ ﷺ اپنی اُمت کو بحکم الٰہی اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے اصول، ایمان و یقین، توبہ و طہارت اور عبادت و ریاضت کے طریقہ کار، اور اقامت دین اور اللہ کی حاکمیت قایم کرنے کی حکمت عملی بتاتے رہے اور اپنے فرض سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔ جنگوں کے ساتھ ساتھ بوقت ضرورت مصالحتیں بھی ہوئیں۔ صلح حدیبیہ ہوئی۔ بیعت رضواں ہوئی۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ آپؐ اپنی ٹھوکروں سے بت گراتے جاتے اور کہتے جاتے: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ بیت اللہ بتوں اور بت پرستی سے پاک ہو گیا۔ آج تک پاک ہے۔ رحمۃ للعالمین اور فاتح مکہ نے آج کے دن کو ''الیوم یومُ المرحمۃ'' کہا اور اعلان کیا:

''جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اُس کے لئے امان ہے۔ جو اپنا دروازہ بند کرلے گا اُس کے لئے امان ہے۔ جو کعبہ میں داخل ہو جائے گا اُس کے لئے امان ہے''۔

پیغمبر اسلام اور فاتح مکہ کا یہ اعلان بتارہا ہے کہ اسلام روز اوّل سے ''امن و امان'' کا مذہب رہا ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جو بھی جنگیں ہوئیں۔ وہ سب کی سب دفاعی تھیں۔ پوری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے نبیؑ، جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی کسی کے خلاف جنگ کی ابتدا نہیں کی۔ عقل وفہم اور عدل و انصاف پر مبنی یہی جمہوری نظام کا طریقہ بھی ہے۔ ممالک اسلامیہ اور دیگر ممالک کے لئے یہی اصول بھی ٹھہرا۔ چنانچہ آج بھی زیادہ تر ممالک کے حکام اپنی افواج کے لئے وزارت دفاع اور وزیر دفاع مقرر کرتے ہیں۔ بہر حال آپؐ نے آخری حج ادا کیا۔ پھر میدان عرفات میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے خطبہ حجۃ الوداع دیا جو پوری اُمت کے لئے رہتی دنیا تک کے واسطے انسان، انسانیت اور انسانی حقوق کی بقا کے لئے ''اصول حیات'' ہے۔ جیسے ہی خطبہ سے فارغ ہوئے اللہ عزوجل نے '' اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ''(سورہ مائدہ :۵/۳) نازل فرمائی۔ رسولؐ کا مشن مکمل ہوا۔ آپؐ نے دین مکمل کردیا جسے اللہ عزوجل نے پسند فرمالیا۔ قرآن شریف میں آپؐ کے بارے میں پہلے ہی کہہ دیا گیا کہ: ''آپ فرمادیجیے کہ اے انسانو! میں اللہ کا رسول تم سب کے لئے ہوں'' چنانچہ اس ضمن میں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے چند بزرگوں کے اقوال زرّیں ملاحظہ کیجیے۔

عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت مولانا سید شاہ نظام الدین قادری پھلوارویؒ نے آپؐ کی ولادت باسعادت کو تمام مسلمانوں کے لئے ''احسان'' بتایا ہے۔ فرماتے ہیں: ''آپؐ کی ذات مبارک اللہ کی طرف سے تمام انسان کے لئے احسان ہے خصوصاً مسلمانوں کے لئے تو احسان عظیم ہے'' اسی طرح مشہور عالم دین اور عاشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے آپؐ کی ولادت باسعادت کو ''نعمت'' قرار دیا ہے، فرماتے ہیں :

''بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کائنات کے لئے بڑی نعمت ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ہی اس کائنات کا وجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے ہی جہالت وگمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیرے چھٹ گئے اور چہار سو اجالا ہی اجالا ہوگیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے تو قرآن وحدیث اور اپنا اسوۂ حسنہ چھوڑ گئے تاکہ اس کی روشنی میں بھٹکی ہوئی انسانیت اپنی راہ تلاش کرسکے''۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ❁ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

—(اقبالؔ)

بالآخر بشری تقاضہ کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲ ربیع الاول سن ۱۱ھ کو اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ

رٰجِعُوْنَ﴿۱۵۶﴾ آپ نے عالمی سطح پر ایک عظیم انقلاب اپنی عمر کے محض ترسٹھ سال اور چار دن میں لادیا۔آج تک تاریخ کے صفحات میں ’’اتنے کم وقت میں ایسے عظیم انقلاب‘‘ کی نظیر نہیں ملتی ۔ یہی وجہ ہے کہ ایک غیر اسلامی نامور مورخ و محقق ’’مشیل ایچ ہارٹ‘‘ نے جب اپنی معرکۃ الآرا اور نہایت ہی مشہور و مقبول کتاب بنام ’’دی ہنڈریڈ: اے رینکلینگ آف دی موسٹ اینفلوینشیئل پرسنس اِن ہسٹری‘‘ ترتیب دی ۔جس میں ۱۰۰ عظیم صاحبان اثر شخصیات کی سیرتوں کا تفصیلی بیان، مروّجہ تحقیقی اصولوں کی بنیاد پر درج کیا تو اُن میں ’’محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم‘‘ کی سیرت طیبہ کو دلائل کے ساتھ تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہوئے، اہمیت کے لحاظ سے سرفہرست رکھا۔مصنف مشیل ایچ اے ہارٹ کی یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۷۸ء میں شایع ہوئی ۔الغرض اب رہتی دنیا تک پوری اُمت کے سامنے راہ نجات، صراط مستقیم اور دین و دنیا میں بہتر زندگی کے لئے جو ’’اصول کلیہ‘‘ متعین ہوا وہ ہے ’’اللہ اور محمدؐ کی اطاعت وفرمانبرداری‘‘: ’’اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ‘‘ ۔

چنانچہ جامیؔ نے کیا خوب اپنے جذبات کی عکاسی کی ہے :

جہاں روشن است از جمال محمدؐ ۞ دلم تازہ گشت از وصال محمدؐ
بہ وصف رخش والضحیٰ گشت نازل ۞ چووالّلیل در زلف وخال محمد

ورلڈ ہسٹری کا اصل ماخذ یعنی قرآن شریف جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اسے پہاڑ پر اُتارا جاتا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجاتا۔اس کی اہمیت،تقدس اور اس کے وزن کا اندازہ لگا لیجیے ۔مصطفیٰ جان رحمت کی اُمت پر اللہ کا کرم دیکھئے! کہ اس مقدس قرآن کو قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُتارا گیا۔’’جسے اُتارا گیا اور جس پر اُتارا گیا‘‘ دونوں کی اہمیت کا اندازہ لگا لیجیے ۔’’مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام‘‘ ۔

چہ کنم بیان کمال او بلغ العلی بکمالہ ۞ چو فروغ کرد جمال او کشف الدجی بجمالہ
من و حیرتے زخصال او حسنت جمیع خصالہ ۞ دل وجان ماوخیال او وصلّوا علیہ وآلہ

—(ابوالحسن فردؔ پھلواروی)

مراجع ومصادر :

(۱) قرآن شریف۔
(۲) الرحیق المختوم: مولانا صفی الرحمن مبارکپوری۔
(۳) الخصائص الکبریٰ فی معجزات خیر الوریٰ: حضرت عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی۔
(۴) سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی۔
(۵) قرآن فہمی: پروفیسر احسان اشرف۔
(۶) انبیاء علیہم السلام صالحین وصالحات: اقبال حسن اور اعجاز مقبول۔

(۷) کلیات اقبال: اسرار زیدی۔

(۸) اقبال اور محبت رسول ﷺ: ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی۔

(۹) نغمات الانس فی مجالس القدس: شاہ ہلال احمد قادری۔

(۱۰) سہ ماہی المجیب (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۰ء): ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

(۱۱) سہ ماہی المجیب (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء): ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی موجودہ چند اہم مطبوعات درج ذیل ہیں :

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف/مرتب/مترجم	قیمت
01	سوانح حضرت محی الملۃ والدین	حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ	100/-
02	سوانح حضرت امان المستجیرین	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری	100/-
03	صحیفۂ امان	ڈاکٹر سید شاہ فتح اللہ قادری	50/-
04	آداب وفضائل درود وسلام ملحقہ روح کائنات	حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ	90/-
05	اسلام میں بدعت کا مفہوم	حضرت مولانا شاہ محمد عزالدین قادریؒ	20/-
06	عرس اور اس کی معنویت وحقیقت	حضرت مولانا محمد شفیع اللہ سہسرامیؒ	15/-
07	سفرنامہ حیات (خود نوشت سوانح)	حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ	150/-
08	بستان الاکرام اُردو ترجمہ تذکرۃ الکرام	حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیات قادریؒ	300/-
09	رسالہ نماز برائے اطفال	جناب حضور حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ	50/-
10	حضرت مریم علیہا السلام	مولانا سید لطف اللہ قادری	60/-
11	احوال مولائے کائنات	حضرت فیاض المسلمین قدس سرہٗ/تحشیہ وتخریج: جناب حضور مدظلہ	140/-
12	سیرت پیر مجیب (جدید ایڈیشن مع اضافہ)	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری	400/-
13	Tajul Arfin And the Glorious ...	Prof. Syed Aziz Ahmad	120/-
14	خانوادۂ سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری	200/-
15	نغمات الانس فی مجالس القدس	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری	350/-
16	یزید حقائق کے آئینے میں (جدید ایڈیشن مع اضافہ)	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری	100/-
17	خانقاہ حضرت تاج العارفین	محمد سجاد حسین قادری مجیبی	100/-
18	The Magnificence of Peer Mujeeb	Dr. Syed Shamim Ahmed Quadri Amani	400/-

عظمت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دشمن وکفار وغرباء کے ساتھ حسن سلوک

● محمد آزاد حسین —— ریسرچ اسکالر، شعبۂ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب دانائے غیوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے شمار خوبیوں اور صفات کا جامع و مانع بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا۔

اوّل ما خلق اللہ نوری و کل الخلائق من نوری و انا من نور اللہ۔

ترجمہ : اللہ تبارک وتعالی نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا اور تمام مخلوقات میرے نور سے ہے اور میں اللہ کے نور سے ہوں۔

تمام نبیوں اور رسولوں کے بعد آپ دنیا میں مبعوث کئے گئے لیکن سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَی (۱) کے حسین موقعہ پر عرش اعظم کی سیر کرانے سے پہلے سارے نبیوں کی امامت کرا کر امام الانبیاء کے خطاب سے آپ کو نوازا۔ اعلی وارفع اخلاقیات سے نوازا اور ارشاد فرمایا :

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ۝۴ (۲)

ترجمہ : اور آپ کا اخلاق عظیم الشان ہے۔

آپ کو رأفت ورحمت اور شفقت ومحبت سے نوازنا ہوا تو فرمایا: وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝۱۰۷ (۳) اور پیکر رحمت بنا کر بھیجا، آپ کے سفر کی بات آئی تو قرآن نے فرمایا: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَی (۴) سیر وسیاحت محبوب کی باری آئی تو عرش اعظم کی سیر کرائی جہاں جبرئیل کا بھی گذر نہیں اور جس کی ترجمانی شیخ سعدی نے اپنی زبان میں کی اور کہا :

اگر یک سر موی برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

اور جب قرب محبوب ومحب بتانا مقصود ہوا تو سفر معراج کی انتہا بیان کرتے ہوئے مقام مصطفی کی تعیین کی تو ارشاد خداوندی ہوا قرآن گویا ہے :

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹ — (۵)

ترجمہ : پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو کمان کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

اللہ تبارک وتعالی نے اپنے بندوں کی راہنمائی و ہدایت کے لئے مختلف اوقات میں مختلف نبیوں اور رسولوں کو دنیا میں مبعوث فرمایا جن کی تعداد اجماع امت کے مطابق تقریباً کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے، اپنے بندوں کی آسائش وزیبائش، عیش وآرام کے لئے بے شمار نعمتیں بھی اللہ تبارک وتعالی نے پیدا فرمائیں، انسانوں کو Creative ذہن و دماغ دے کر دنیا میں عہد بہ عہد بھیجتا رہا اور وہ اپنی ذہنی و دماغی اختراع سے الگ الگ ادوار میں نئی نئی ایجادات مثلاً ٹرین، ہیلی کوپٹر، ہوائی جہاز وغیرہ کرتے رہے۔ جس سے انسانی زندگی آسان سے آسان تر ہوتی گئیں۔ اس کے علاوہ ہزاروں، لاکھوں نعمتیں عطاء فرمائیں جس کو اگر انسانی ذہن شمار کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ— (۶)

ترجمہ : اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کرسکتے۔

اس کے باوجود اللہ جل جلالہ عم نوالہ نے کبھی کسی نعمت کو دے کے اپنے بندوں پر احسان نہیں جتایا۔ لیکن امام الانبیاء، محسن انسانیت، بے سہاروں کے سہارا، یتیموں کے چارہ گر، دونوں عالم کے مالک ومختار، سرور کائنات، خاتم الانبیاء، اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو ارشاد فرمایا :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا — (۷)

ترجمہ : بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ صرف صاحب عزت وشرف ہی نہیں بلکہ پوری کائنات کیلئے اللہ تبارک وتعالی کی جانب سے ایک احسان عظیم بھی ہے، جس نے ۳۶۰ رفرضی خداؤں کے پجاریوں کے ذہن وقلوب کو اللہ وحدہ لاشریک کو اپنا خالق ومربی ومعبود منوانے، راہ شرک وکفر کو ترک کرکے اسلام جیسے مذہب مہذب کو تسلیم کرنے اور قماری بازی اور شراب خوری جیسے برائیوں کو چھوڑ کر صراط مستقیم پر گامزن کرنے کے لئے خار دار وادیوں سے آپ ﷺ کو گزرنا پڑا، مصائب وآلام کی چکیوں میں پسنا پڑا، راہ چلتے آپ کے جسم اطہر پر کوڑا پھینکا گیا، طائف کی گلیوں میں پتھروں کی ایسی بارش کی گئی کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک

لہولہان ہوگیا، حالت سجدہ میں اونٹ کی اوجھڑی آپ کے جسم پر ڈالی گئی لیکن آپ کے زبان مبارک سے کبھی اف تک نہ نکلا اور نہ آپ نے ان کے خلاف کبھی انتقامی جذبہ رکھا۔ حد تو یہ ہے کہ آپ کو مکۃ المکرمہ سے مدینۃ المنورہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس سے بڑھ کر سانحہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ اپنے گھر بار کو چھوڑنا پڑے۔ جس شب آپ نے ہجرت فرمائی اس شب کفار قریش نے طے کر رکھا تھا کہ صبح کو محمد کا سر قلم کر دیا جائے گا (نعوذ باللہ)۔ دشمنوں کا دستہ رات بھر خانہ نبوی کا محاصرہ کئے رکھا۔ لیکن فضل خداوندی آپ کے ساتھ تھا۔ آپ کا محافظ خدا تھا۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

یہ دن آپ کو اس لئے دیکھنے پڑے کہ اس وقت آپ میں ان سے ظاہری طور پر مقابلہ کی قوت نہ تھی، لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان میں سے ہر ایک کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی، ان کے جان کی رہائی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم و کرم پر منحصر تھی۔ مگر آپ نے ان سے کوئی بدلہ نہیں لیا۔

دشمنوں سے بدلہ لینے کا موقع :

آپ ﷺ سے کفار مکہ کی دشمنی اور اذیت و تکالیف جس درجے تھی وہ بیان سے باہر ہے لیکن اس کے باوجود رحمت عالم کا رویہ ان کے ساتھ ہمیشہ نرم رہا۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو فتح مکہ دشمنان اسلام سے انتقام لینے کا ایک بہترین موقع تھا۔ آپ نے ایسے موقع پر بھی دشمنوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کے گواہ تاریخ اسلام کے منکشف اوراق اور آپ کی سیرت طیبہ ہے۔ فتح مکہ کے روز آپ کے دشمن آپ کے قبضے میں آئے، آپ ان سے بدلہ لے سکتے تھے، لیکن اللہ تبارک و تعالی نے آپ کو وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۝۱۰۷ (۸) کا پیکر بنا کر بھیجا تھا، نبی محترم کی شان کے خلاف تھا کہ وہ خواہ کوئی دشمن ہی کیوں نہ ہو اس سے بدلہ لیں، اگر بدلہ لیتے تو آپ میں اور عام انسان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ان کے ساتھ عفو و درگذر کر کے ان کا دل جیت لیا اور اسلام کی تاریخ میں ایک ایسی مثال پیش کی جس کی نظیر پوری دنیائے انسانیت پیش کرنے سے قاصر و مجبور ہے۔
علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں :

> ''دشمنوں سے انتقام کا موقع فتح حرم کا دن تھا جبکہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے، جو آنحضرت ﷺ کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے دست ستم سے آپ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں لیکن ان سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا ''لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقا''۔۔۔ (۹)

عکرمہ بن ابی جہل جو قبل از اسلام محبوب خدا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا، کا واقعہ مشکوۃ شریف میں یوں بیان کیا گیا ہے :

عن عكرمة بن ابى جهل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم جئته مرحبا بالراكب المهاجر رواه الترمذی۔ (۱۰)

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد دوم میں اس واقعے کو درج کیا ہے :

''عکرمہ دشمن اسلام ابو جہل کے فرزند تھے، اور اسلام سے پہلے باپ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے، فتح مکہ کے وقت مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھی، وہ یمن گئیں اور عکرمہ کو تسکین دی اور ان کو مسلمان کیا اور خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو فرط مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی'' (۱۱) اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے۔ مرحبا بالراکب المهاجر (ترجمہ) اے ہجرت کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو''۔ (۱۲)

بہر حال مقالے کی طوالت سے گریز کرتے ہوئے صرف چند واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یوں تو اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جن سے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ بھری پڑی ہے جس نے اسلام دشمن عناصر کے کلیجے جھنجھوڑ کر رکھ دیئے کہ یہ کیسا خدا کا فرستادہ نبی ہے جو انتہائی درجہ دشمنوں کے ساتھ بھی ایسی نرمی کا برتاؤ کرتا ہے کہ بجائے اس کے کہ لوگ اپنے آباء و اجداد کے دین کی محافظت کریں اخلاف کے مکاتیب فکر اور ادیان و مذاہب کی طرف سے ایسے منہ موڑ لیتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسے کوئی دور دور کا واسطہ نہیں تھا۔ نبی مکرم کا یہی وہ عملی کردار تھا جس نے دشمنوں کی شمشیر بے نیام کا جواب 'ابر رحمت کی موسلا دھار بارش' سے دیا جس کی وجہ سے لوگ جوق در جوق اسلام کے جھنڈے تلے بڑی تیزی کے ساتھ آتے چلے گئے۔ اور اسلام کا جھنڈا روز بروز بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا۔

کفار و مشرکین کے ساتھ سلوک :

کفار و مشرکین کے ساتھ بھی آپ ﷺ کا سلوک بڑا کریمانہ اور مشفقانہ تھا، ابو بصرہ غفاری کا بیان ہے کہ جب وہ کافر تھے، مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہوئے اور رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے۔ تمام اہل بیت نبوی رات بھر بھوکا رہا لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ (۱۳)

کفار و مشرکین کے ساتھ آپ کا کیا سلوک تھا اس سلسلے میں جامع ترمذی کی حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے ملاحظہ فرمائیں :

حدثنا اسحق بن موسى ثنا معن ثنا مالك عن سهيل بن ابى صالح عن ابيه عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ضافه ضيف كافر فامر له رسول الله صلى الله عليه وسلم بشاة فحلبت فشرب ثم اخرى فشربه فحلبت ثم اخرى فشربه حتى شرب حلاب سبع شياة ثم اصبح من الغد فاسلم فامر له رسول الله صلى الله عليه وسلم بشاة فحلبت فشرب حلابها

ثم امر له بأخری فلم یستتمّها فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤمن یشرب فی معی واحد والکافر یشرب فی سبعۃ امعاء ھذا حدیث حسن صحیح غریب ۔ (۱۴)

شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد دوم میں بھی بعینہ اسی واقعہ کو بیان کیا ہے :

حضرت ابوہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک کافر شب کے وقت آپ کا مہمان ہوا۔آپ نے اس کی ضیافت کے بطور ایک بکری کا دودھ پیش فرمایا، وہ پی گیا۔ پھر دوسری بکری کا دودھ دوہا گیا وہ بھی پی گیا، تیسری بکری دوہی گئی وہ بھی پی گیا یہاں تک کہ سات بکریوں کا دودھ دہا گیا اور وہ کافر پی گیا۔ اللہ کے نبی نے کسی طرح کے غیض وغضب کا اس پر اظہار نہیں فرمایا۔ نبی مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اخلاق حسنہ تھا کہ دوسرے روز صبح کو وہ مسلمان ہو کر صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہوگیا۔ (۱۵)

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود ونصاری کے ساتھ بھی اس طرح کے حسن سلوک کا مظاہرہ کیا جس کی مثال نہ تو اس سے قبل کسی نے پیش کی اور نہ بعد میں کوئی دوسری اس طرح کی نظیر پیش کرسکتا ہے ۔ باوجود اس کے کہ یہود ونصاری ابتدائے اسلام سے لے کر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک اور آج بھی اسلام کے سخت ترین دشمن ہیں ۔لیکن ہمارے نبی نے اخلاق حسنہ کا ایسا جوہر پیش کیا کہ دشمن بھی آپ کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گئے ۔آج مخالفین کا دعوی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے ۔ میں بھی اس بات کو باور کرتا ہوں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے،لیکن وہ تلوار لوہے کی تلوار نہیں تھی بلکہ اخلاق نبوی کی تلوار تھی ۔اس لئے کہ لوہے کی تلوار سے سر تو جھکایا جا سکتا ہے لیکن دل نہیں جھکایا جا سکتا۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق حسنہ اور کردار عالی سے پہلے دل کی دنیا فتح کی، پھر سر تو خود بخود ہی جھکتا چلا گیا۔

اس سلسلے کی ایک حدیث جو حضرت انس سے مروی ہے :

حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا حمّاد وھو ابن زید عن ثابت عن انس قال کان غلام یھودی یخدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمرض فاتاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعود فقعد عند راسہ فقال لہ اسلم فنظر الی ابیہ و ھو عندہ فقال اطع اباالقاسم فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ھو یقول الحمد اللہ الذی انقذہ من النار ۔ (۱۶)

اسی واقعے کو علامہ شبلی نعمانی نے بھی اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد دوم میں یوں بیان کیا ہے :

ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے ، اللہ تبارک وتعالی نے جس مقصد کے لئے آپ کو دنیا میں مبعوث فرمایا اس کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی ، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا یعنی اس کی نظریں باپ کی رضامندی کی خواہاں تھیں ، اس نے کہا: ’’آپ جو فرماتے ہیں اس کو بجالاؤ‘‘ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا اور مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ (۱۷)

یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ یہودیوں کے نازیبا کلمات کو برداشت کرتے تھے ان کے سخت اور ناجائز تقاضوں کو سنتے تھے

اس کے باوجود ان کی داد وستد فرماتے تھے۔ یہودی اور مسلمان میں اگر اختلاف درپیش آتا تو بلاوجہ مسلمان کی جانبداری نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر آپ کی خدمت میں شکایت کی کہ ''محمد دیکھو ایک مسلمان نے مجھ کو تھپڑ مارا ہے'' آپ نے اس مسلمان کو اسی وقت بلا کر زجر فرمایا۔

غرباء کے ساتھ نبی ﷺ کا حسن سلوک :

سرور کائنات، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے موافقین اور دوستوں کو قریب رکھا بلکہ دشمنوں کی بھی ایسی دلجوئی فرمائی کہ انھوں نے مذہب اسلام تو قبول کیا ہی آپ کے سچے اور پکے عاشق بھی ہو گئے اور پھر آپ کے دامن اقدس کو تا حیات تھامے رہے۔ پوری زندگی اللہ و رسول کے لئے ایک عاشق صادق کی عملی مثال بن کر جان نثار کر دیا، مردان عرب نے آپ کے عشق و محبت میں اپنی گردنیں کٹا دیں اور احساس تک نہ ہوا۔ یہ سب کچھ نبی آخر الزماں کی الفت و محبت، شفقت و مہربانی اور اس ابر رحمت کا عملی نتیجہ تھا جو دوست و دشمن، دشت و چمن پر یکساں برستا تھا۔

مسلمانوں میں امیر بھی تھے اور غریب بھی، دولت و ثروت مند بھی تھے اور رفاقہ کش بھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ سب کے ساتھ یکساں تھا۔ بطور خاص غریبوں کے ساتھ آپ کا سلوک ایسا تھا کہ مال کی کمی یا ان کی غربت ان کو کبھی آپ کی نظر رحمت سے بیزار نہیں ہوا کرتی تھی۔ اور نہ ہی ان کو اس کا احساس ہوتا تھا کہ وہ غریب ہیں اس لئے ان کی طرف نظر رحمت کا سایہ خاص طور پر متوجہ تھا۔ لیکن ایک دفعہ تقاضائے بشریت کے خلاف ایک واقعہ ہوا تو بارگاہ احدیت سے اس پر باز پرس ہوئی۔

مکۃ المکرمہ کا واقعہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند اکابر قریش بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ان کو اسلام کی دعوت فرما رہے تھے کہ اسی اثناء میں عبداللہ ابن مکتوم جو آنکھوں سے معذور اور غریب تھے ادھر آ گئے اور انھیں اکابرین قریش کے ساتھ بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرنے لگے۔ رؤساء قریش جو سخت متکبر اور فخّار تھے ان کو یہ برابری پسند نہیں آئی۔ آپ ﷺ نے ابن مکتوم کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور اس امید پر کہ سخت دل قریش اسلام کی باتیں قبول کر لیں اور ان کا دل حق سے آشنا ہو جائے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالی کو اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا امتیاز پسند نہ آیا اور یہ آیت نازل ہوئی :

عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ ۝١ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝٢ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝٣ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝٤ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝٥ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝٦ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝٧ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝٨ وَهُوَ يَخْشٰى ۝٩ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝١٠ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝١١ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝١٢ — (۱۸)

ترجمہ : پیغمبر نے ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا اس کے پاس اندھا آیا (اے پیغمبر) تجھے کیا خبر کہ تری باتوں سے وہ پاک ہو جاتا، یا نصیحت حاصل کرتا، تو نصیحت اس کو نفع پہنچاتی لیکن جو بے پروائی برتتا ہے، اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور تیرا کیا نقصان ہے اگر وہ پاک وصاف نہ بنے اور تیرے پاس دوڑا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے تو تو اس سے بے اعتنائی کرتا ہے، نہیں ہرگز نہیں یہ نصیحت عام ہے جو چاہے اس کو قبول کرے۔

مذہب اسلام کے ابتدائی دور سے ہی امراء ورؤسا اور صاحبان دولت وثروت پر غرباء اور مفلسین کو اہمیت وفوقیت حاصل رہی۔ یہی وہ جاں نثاران پیغمبر و مذہب اسلام ہیں جن کو لے کر اسلام کے ابتدائی دور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ جن کی بے حیثیتی دیکھ کر رؤسا قریش استہزاء کیا کرتے تھے۔ لیکن غرباء کی فضیلت اور ان کی اہمیت کے ساتھ ساتھ جنت میں غرباء کا چالیس سال پہلے داخل ہونا حدیث نبوی کی روشنی میں ثابت ہے :

عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فقراء المھاجرین یسبقون الاغنیاء یوم القیمۃ الی الجنۃ باربعین خریفا رواہ مسلم — (۱۹)

ایک اور حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جو اس سے مختلف ہے اور اس میں بھی غرباء کے امراء سے پہلے جنت میں جانے کی روایت ملتی ہے :

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم یدخل الفقراء الجنۃ قبل الاغنیاء بخمس مائۃ عام نصف یوم رواہ الترمذی — (۲۰)

اسی واقعہ کو شبلی نے بھی اپنی کتاب سیرۃ النبی، جلد دوم میں اس طرح بیان کیا ہے :

عبداللہ بن عمروؓ بن العاص روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا تھا، اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے۔ اسی اثناء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور انھیں کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے یہ منظر دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا آپ نے فرمایا ''فقراء مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے'' عبداللہؓ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا یہ سن کر ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے، اور مجھے حسرت ہوئی کہ کاش میں بھی ان ہی میں ہوتا۔ (۲۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنی دعا میں یہ فرمایا کرتے تھے ''خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر'' حضرت عائشہ نے دریافت کیا یارسول اللہ! ﷺ ایسا کیوں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس لئے کہ یہ دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔

سرور کائنات، آقائے نامدار حضور پر نور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ایسے بے شمار فضائل وکمالات سے متصف نظر آتی ہے، آپ کی حیات طیبہ پوری دنیائے انسانیت کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے، آپ کا ہر عمل قرآن کی تفسیر ہے۔ وہ رسول انام جس نے اقوام عرب کو کفر وشرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکال کر اسلام کی روشنی عطا فرمائی، شراب خواری، قمار بازی، زناکاری اور زندہ درگور جیسے مخربات سے انسانیت کو شفاء کلی بخشی۔ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ کا جامۂ زیبا پہنایا اس کی فضیلت اور سیرت ایک جاہل مطلق کیا بیان کرسکتا ہے جس کو خود خدا نے کبھی يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ — ۲۲ (ترجمہ) اے جھرمٹ مارنے والے، کہہ کے پکارا، کبھی يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ — ۲۳ (ترجمہ) اے بالاپوش اوڑھنے والے،

کہہ کے پکارا، کبھی طٰہٰ ﴿۱﴾ (۲۴) و یٰسٓ ﴿۱﴾ (۲۵) کہہ کے پکارا، سفر معراج میں اپنی قربت میں بلا کر پیغام سلامتی ان الفاظ میں دیئے: السَّلامُ عَلَیْكَ ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خود خدائے وحدہ لاشریک نے اگر قسم کھائی تو ارشاد فرمایا: وَالضُّحٰی ﴿۱﴾ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ﴿۲﴾ (۲۶) داد و دہش اور عطا کرنے کی بات آئی تو فرمایا: اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿۲﴾ (۲۷) ایسے محبوب خدا کی سیرت طیبہ مجھ جیسا کم علم و ہیچمدان کیا بیان کرسکتا ہے صرف حصول برکت کے لئے یہ چند ناقص کلمات جو سیرت رسول کی صرف ایک ادنی سی جھلک کہی جاسکتی ہے بطور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی جرأت کی ہے:

گر قبول افتد زہے عز و شرف

منابع وماخذ:

(۱) پارہ:۱۵، رکوع:۱، سورۂ بنی اسرائیل، آیت:۱۔
(۲) پارہ:۲۹، رکوع:۳، سورۃ القلم، آیت:۴۔
(۳) پارہ:۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت:۱۰۷۔
(۴) پارہ:۱۵، رکوع:۱، سورۂ بنی اسرائیل، آیت:۱۔
(۵) پارہ:۲۷، رکوع:۵، سورۃ النجم، آیت:۸-۹۔
(۶) پارہ:۱۴، رکوع:۷، سورۃ النحل، آیت:۱۸۔
(۷) پارہ:۴، رکوع:۷، سورۂ آل عمران، آیت:۱۶۴۔
(۸) پارہ:۱۷، رکوع:۷، سورۃ الانبیاء، آیت:۱۰۷۔
(۹) شبلی جلد دوم، ص:۳۹۸، ابن ہشام، جلد:۲، ص:۲۷۳۔
(۱۰) مشکوۃ، کتاب الادب، باب المصافحہ والمعانقہ، مکتبہ بلال دیوبند، ص:۴۲۶، سطر:۱۸۔
(۱۱) موطا امام مالک، کتاب النکاح، باب نکاح المشرك اذا اسلمت زوجته قبله، ص:۱۹۸۔
(۱۲) مشکوۃ، کتاب الادب باب المصافحة والمعانقة، ص:۳۹۹۔
(۱۳) مسند ابن حنبل، ج:۶، ص:۳۹۷، بحوالہ سیرۃ النبی، جلد دوم، علامہ شبلی نعمانی دار المصنفین، اعظم گڑھ (یوپی)۔
(۱۴) جامع الترمذی، ابواب الاطعمہ ان المؤمن یاکل فی معًی واحد، الجلد الثانی، ص:۴، سطر:۱۶، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی۔
(۱۵) علامہ شبلی نعمانی، حصہ دوم، ص:۴۰۳، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (یوپی)۔
(۱۶) صحیح البخاری، الجلد الاوّل، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی، مطبع اصح المطابع، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ص:۱۸۱۔
(۱۷) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی، ج:۱، ص:۱۸۱۔
(۱۸) پارہ:۳۰، رکوع:۵، سورۂ عبس، آیت:۱۔
(۱۹) مشکوۃ المصابیح، کتاب الرؤیا، باب افضل الفقراء وما کان من باب عیش النبی، ص:۴۴۶، مکتبہ بلال، دیوبند۔

(۲۰) ایضاً ص:۷۴۴،مکتبہ ہلال، دیوبند۔

(۲۱) علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، جلد دوم ص:۴۱۰، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (یوپی)

(۲۲) پارہ:۲۹،رکوع:۱۳،سورۂ مزمل، آیت:۱۔

(۲۳) پارہ:۲۹،رکوع:۱،سورۂ مدثر، آیت:۱۔

(۲۴) پارہ:۱۶،رکوع:۱۰،سورۂ طٰہ، آیت:۱۔

(۲۵) پارہ:۲۲،رکوع:۱۸،سورۂ یاسین، آیت:۱۔

(۲۶) پارہ:۳۰،رکوع:۱۸،سورۃ الضحیٰ، آیت:۱۔

(۲۷) پارہ:۳۰،سورۃ الکوثر، آیت:۱-۲۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

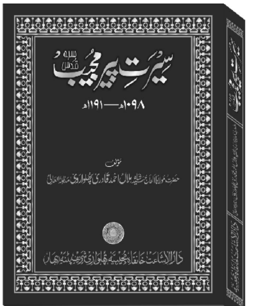

سیرتِ پیر مجیب قدس سرہ

(جدید ایڈیشن مع اضافہ)

مؤلف

حضرت مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی مدظلہ العالی

خانوادۂ مجیبیہ کے ایک نکتہ سنج، دقیقہ رس، ذی وقار عالم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مدظلہ العالی کی مایہ ناز گرانقدر تالیف ہے، جس میں بانیٔ خانقاہ مجیبی حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ کے علمی وعرفانی کمالات، دینی خدمات، ارشاد وہدایت، تربیت وتزکیۂ نفوس کے طریقے، خانقاہ مجیبی کی خصوصیات، حضرت کے کرامات وتصرفات، خلفاء ومجازین اور ہم عصر علماء ومشائخ کے حالات نہایت احسن پیرایے میں تحریر کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب خانقاہ کے بزرگوں کے حالات زندگی پر ریسرچ کرنے والوں کے لئے انمول تحفہ ہے، جو بہت ساری نادر ونایاب کتب ورسائل اور قلمی نسخہ جات کا جامع مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ایک اہم تاریخی دستاویز کے ساتھ ساتھ واقعات وحالات کا ایک دلچسپ مرقع بھی ہے، جسے ترتیب دے کر مؤلف نے قارئین ومستفیدین پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ پوری کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے، جس کے ہر باب کے اندر کثیر معلومات اور ان گنت شواہد کے ذخائر موجود ہیں۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر مستند تاریخ، جامع سوانح ہے، جو دیدہ زیب طباعت اور خوشنما سرورق سے مزین 480 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی قیمت محض -/400 روپے ہے۔ دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے آج ہی حاصل کیجئے اور اپنی معلومات میں اضافہ کیجئے۔

رابطہ : +91-7250433562, 9006306098

عشق ومحبت صوفیا کی نظر میں

● ڈاکٹر محمد محسن—جیت پورا یکس ٹینشن، بدر پور، نئی دہلی

آٹھویں صدی کے مشہور صوفی شاعر مولانا محمد مغربی تبریزی ملقب بہ شریں نے دیار مغرب میں شیخ محی الدین ابن عربی کے ایک مرید سے خرقہ حاصل کیا تھا، مغربی کی غزلوں میں صوفیانہ مضامین اور خاص طور پر وحدت الوجود کا بیان ہے۔ رضا قلی ہدایت اپنے تذکرہ میں رقمطراز ہیں :

”مذہبش وحدت وجود است ومشربش لذت شہود، ترجیعات وغزلیاتش ہم مشحون بہ حقائق توحید است“

یعنی مغربی کا مذہب ومشرب وحدت وجود اور وحدت شہود ہے۔ ان کی ترجیعات وغزلیات بھی توحید سے لبریز ہیں۔

مغربی ہی کے اشعار ہیں :

مر بخلوت جان دلبریست پنہانی ۞ کہ ھست جان و دلم در جمال او فانی
سریر سلطنت ذات ایزدی است دلم ۞ چنانکہ عرش مجیدست عرش رحمانی

ترجمہ : (الف) میری روح کے خلوت میں ایک دلبر چھپا ہوا ہے۔ اور میرے جان و دل اس کے حُسن و جمال میں فانی ہیں۔

(ب) میرا دل ذات خداوندی کا تخت ہے۔ عرش اعظم کی طرح میرا دل عرشِ رحمانی بن گیا ہے۔

دیدہ برخون و دل آتشکدہ و جان برکف ۞ روز وشب جز تو نہ جستیم خدا می داند

ترجمہ : آنکھیں پرخوں، دل کا آتشکدہ اور ہتھیلی پر جان لیے ہوئے۔ اے محبوب! دن رات تیرے سوا کسی اور کو نہیں تلاش کیا، خدا گواہ ہے۔

درکوی مغان نیست شدیم از ہمہ ہستی ۞ چون نیست شدیم از ہمہ ہستی ہمہ ہستیم
زین پس مطلب ہیچ زما دانش وفرہنگ ۞ ای عاقل ہشیار کہ ما عاشق و مستیم

ترجمہ : (الف) صوفیوں کے کوچے میں، میں نے اپنی ہستی سے نیستی اختیار کرلی۔(فنافی المحبوب ہوگیا)اس فناو نیستی سے ہی دراصل ہستی و بقا حاصل ہوئی۔

(ب) اب اس کے بعد ہم سے عقل و ہنر طلب مت کر، اے عقل وخرد کے پجاری! کیوں کہ ہم عاشق ومست ہیں۔

مغربی کا ہی شعر ہے :

عشقم کہ در دو کون مکانم پدید نیست ۞ عنقای مغربم کہ نشانم پدید نیست

ترجمہ : میں عشق ہوں دو جہاں میں میرا ٹھکانہ ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا۔میں سمت مغرب کا معلوم الاسم ومعدوم الجسم عنقا ہوں، جس کا کوئی پتہ نشان نہیں ہے۔

ایک دوسرا شاعر عشق ومحبت کی توضیح یوں کرتا ہے :

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن ۞ دل بہ دست دگرے دادن و حیران بودن

ترجمہ : عاشقی کیا ہے؟ کہہ دو! محبوب کا غلام ہوجانا اپنا دل اور ہوش کو دے کر حیرت خرید لینا۔

حدیث عشق ہمین بس کہ سوختم بی تو ۞ سخن یکیست دگر ہا عبارت آرائیست

ترجمہ : عشق کی داستان بس یہی ہے کہ تیری جدائی میں جل گیا۔یہی اصل بات ہے باقی عبارت آرئیاں ہیں۔

کمالِ عاشقی پروانہ دارد ۞ کہ او از سوختن پروا نہ دارد

ترجمہ : عشق ومحبت میں کمال پروانے کو حاصل ہے۔کیوں کہ اُسے جل جانے کی پروا نہیں ہے۔

صاحب بحر المعانی اپنے آٹھویں مکتوب میں لکھتے ہیں کہ اے بھائی! عشق کا محرم ہوجا، کیوں کہ محرمان عشق کو ہی معلوم ہے کہ عشق کی کیا حالت وکیفیت ہے۔اِسے الفاظ و بیان سے نہیں سمجھا جاسکتا۔اور نا اہلوں کو عشق سے علامت وملامت کے سوا کچھ نہیں حاصل۔حاصل یہ کہ جو عشق کے لائق بن گیا وہ حضرت جل وعلا کے قرب کے شایان شان ہوگیا۔جو عشق کے قابل نہیں، وہ خدائے عزوجل کے قرب ومحبت کے قابل نہیں، جیسا کہ ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے :

علیکم بدین العجائز : بوڑھی عورتوں کے دین کو اپنے اوپر لازم کرلو، یعنی بوڑھی عورتوں کے افعال و ارادے نہایت مستحکم ہوتے ہیں۔انھوں نے بہت بہتر کہا ہے کہ: اے عاجز! اگر تیرے سر میں عشق کا سودا نہیں ہے، تو دانائی و بیوقوفی اختیار کر، کیوں کہ مطابق اس فقرے کے ’’اکثر اهل الجنة الابله‘‘ یعنی جنت کے زیادہ تر باشندے نادان ہوتے ہیں۔پس جنت کے طلبگار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوقوف کہا ہے، کیوں کہ وہ یہاں دُرّ وگہر کے لالچ میں آیا ہے۔اور وہ سونے کے مہرہ پر ہی قناعت کرلیتا ہے، ہائے رے نادان و بیوقوف۔

حضرت حق است دریای قدیم ۞ قطرۂ خود نیست جنات النعیم

چون بہ دریا می توانی راہ یافت ۞ سوی یک شبنم چرا داری شتافت
ہرکہ داند گفت با خورشید راز ۞ کی تواند ماند با یک ذرہ باز
ہرکہ کل شد جز و را با او چہ کار ۞ ہرکہ جان شد عضو را با او چہ کار

ترجمہ : (الف) ذات حضرت حق دریائے قدیم (قِدم) ہے۔ جنت کی نعمتیں اس کے ایک قطرہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔

(ب) جب تو دریا میں راہ پا سکتا ہے، تو ایک شبنم کی طرف کیوں تگ و دو کرتا ہے۔

(ج) جو خورشید ازل سے دو بدو راز کہہ سکتا ہے، وہ ایک ذرہ (حجاب) سے کیسے الجھ کر رہ سکتا ہے۔

(د) جو کل ہو گیا اُسے جزو سے کیا غرض۔ جو روح بن گیا اسے اب عضو (جسم) سے کیا مطلب۔

اے بھائی! ساری دنیا جنت کی طلب گار نظر آتی ہے، کوئی بھی عشق کا طالب نظر نہیں آتا، اس لیے کہ جنت نفس و دل کا حصہ ہے، اور عشق روح کا حصہ (تحفہ)۔ اور صحیح معنوں میں ہزاروں لوگ مہرے کے طالب ہیں اور کوئی بھی اصل گوہر کا طالب نہیں ہے، کیوں کہ عشق محبوب کے وصال کا واسطہ (ذریعہ) ہے، اور یہ ہر قلیل ہمت (بزدل) کے شایان نہیں۔

عشق جمال جانان دریای آتشین است ۞ گر عاشقی بسوزی زیرا کہ روی این است
تو مردہ دل چہ دانی زیرا کہ مرد رہ را ۞ اول قدم درین رہ بر چرخ ہفتمیں است
کاری قویست عالی اندر رہِ حقیقت ۞ در ہر ہزار سالی یک مرد راہ بین است

ترجمہ : (الف) جمالِ محبوب کا عشق ایک آتشین (آگ کا) دریا ہے۔ اگر تو عاشق ہے تو جلتا رہ کیوں کہ مناسب یہی ہے۔

(ب) لیکن تجھ مردہ دل کو یہ کیا معلوم کہ راہِ عشق میں بڑھا ہوا پہلا قدم ساتویں آسمان پر ہوتا ہے۔

(ج) حقیقت کی راہ پر چلنا عالی کام ہے۔ ہر ہزار سال میں ایک مرد راہ بین وجود پذیر ہوتا ہے۔

سالہا باید کہ یک سنگ اصلی ز آفتاب ۞ لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن

ترجمہ : اصلی پتھر کو ایک زمانہ چاہئے تبھی وہ سورج کی تپش سے بدخشاں میں پارۂ لعل اور یمن میں عقیق بنتا ہے۔

المقصود اے بھائی! جو ہر جان کے لیے عشق عرض ہے کیوں کہ کوئی ایسا جوہر نہیں جو عرض سے خالی ہو اور وہ جوہر ہی نہیں جو بے عرض ہو (جوہر یعنی جو بذات خود قائم ہو اور عرض جو بذاتِ خود قائم نہ ہو) جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ راز بتایا کہ "عاشق لك و محب لك ان اردت ام لم ترد" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنا عاشق گردانتا ہے، اس کے بعد اپنے بندہ پر عاشق ہوتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے بندے تو میرا محب اور عاشق ہے اور میں تیرا

محب وعاشق ہوں، چاہے تو اِسے پسند کرے یا نہ کرے۔لہٰذا اے برادر! ذاتِ یگانہ خدائے تعالیٰ کے جوہر کے لیے عرض عشق کے سوا کچھ اور نہیں اور خدا تعالیٰ کا عشق ہماری جان (روح) کے لیے جوہر ہوا اور (ہمارا) عشق اس کے (خدا تعالیٰ) کے لیے عرض ہُوا۔یعنی ہمارا عشق اس کے لیے عرض اور اس کا عشق ہماری جان کے لیے عرض ہے، اگر عرض بے جوہر اور جوہر بے عرض ممکن ہوتا تو کبھی بھی ممکن اور جائز نہ ہوتا کہ کوئی بے عشق رہتا کیوں کہ عشق، عاشق اور معشوق، روح میں ایک دوسرے کے ساتھ قائم ہیں اور ہرگز ان تینوں کے درمیان غیریت نہیں ہے، جیسا کہ شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہ نے ان اشعار میں بیان کیا ہے :

چون آب وگل مرا مصور کردند ۞ جانم عرض وعشق تو جوہر کردند
تقدیر قضا چوں کہ قلم بر کردند ۞ عشق تو وجان مرا برابر کردند

ترجمہ : (الف) جب آب وگل کے ذریعہ میری تخلیق کی گئی، میری جان کو عرض اور تیرے عشق کو جوہر کیا گیا۔

(ب) قضا وقدر نے جب تقدیر لکھنے کے لیے قلم اٹھایا تو تیرے عشق اور میری جان کو برابر کر دیا۔(ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم قرار دیا)۔

پس اے برادر! محبوب مطرب وشاہد (صوفی) کو چاہئے کہ ان اشعار کو الست بربکم کے طریق پر سماع میں لائے اور وہ محبوب اس وقت حاضر ہو تا کہ معلوم ہو کہ عشق کیا ہے؟ اے برادر! جب اس سماع میں تو مشاہدہ سے مشرف ہوگا اس وقت بُت پرستی تجھے قبول کرے گی۔مستی و بدمستی تجھ سے صادر ہوگی اور کون ومکان تیرے خادم بن جائیں گے، اس وقت بسم اللہ کا دروازہ تجھ پر کھل جائے گا اور تو باء بسم اللہ کا نقطہ ہو جائے گا، جیسا کہ شبلیؒ نے اسی مقام کے لیے کہا ہے: " انا نقطۃ باء بسم اللہ" یعنی شبلیؒ سے پوچھا گیا تو کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میں نقطۂ باء بسم اللہ ہوں۔ پر اے بھائی! نقطۂ باء بسم اللہ اصل بسم اللہ اور غیر بسم اللہ نہیں ہے، اصل بسم اللہ کو نقطہ کی حاجت ہے کیوں کہ بسم اللہ کا اظہار اس سے ہوگا۔اللہ تعالیٰ فقیر (راقم السطور) کی اس مثنوی کا جمال اس بھائی عالم ظاہر پرست پر تجلی کرے۔

حرف خود بی نقطہ کی باشد پدید ۞ نقطہ را در حرف خود ہر کس نہ دید
نقطہ از تعداد گر آری برون ۞ کاملی باشی و مرد ذوفنون
این سخن والاتر است از کفر و دین ۞ نیست مشکل ہر کرا باشد یقین

ترجمہ : (الف) حرف بے نقطہ کے بغیر کیسے ظاہر ہو سکتا ہے، لیکن نقطہ کو حرف میں کسی شخص نے نہیں دیکھا۔

(ب) اگر تو نقطہ عدد سے باہر کرے گا تو کامل اور ہنروالا بن جائے گا۔

(ج) یہ بات کفر و دین سے بلند ہے۔جو شخص اہل یقین ہے اس کے لیے یہ بات کوئی مشکل نہیں۔

اے بھائی! مجھے معارف رکھ۔اب عشق کے پوشیدہ بھید رقم کر رہا ہوں، آج جو کچھ ضبط تحریر میں لا رہا ہوں اسے علمائے

ظاہر کیا جانیں اور کیا بیان کریں۔ایک مدت چاہیے کہ اس فقیر کے کلام سے کچھ سمجھ سکیں۔جیسا کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی اور سلطان ابوسعید قدس اللہ سرہما صاحب فصوص شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی ملاقات کے لیے دمشق گئے،ملاقات کی اور واپس آگئے تو شیخ محی الدینؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے شیخ الشیوخ کو کیسا پایا؟ انھوں نے جواب دیا کہ مولانا شہاب الدین عالم ہیں اور اس مقام پر ہیں کہ میرے فصوص سے کچھ سمجھ سکیں۔شیخ محی الدین کے کلام کا یہ مرتبہ ہے۔بے چارے اہل ظواہر کہاں اور ہمارا یہ کلام کہاں۔

العلم علمان علم البحر و علم البر۔علم سے مراد دوعلم ہیں علم بحر اور علم بر۔علم بر خلق کا سکھا سکھایا ہوا ہے، اور علم بحر حق کا سکھایا ہوا ہے،اہل ظواہر علم حق کی تفہیم سے عاجز ہیں۔خدا کی قسم یہ فقیر علم بحر سے صرف ایک بات بیان کرے یا تحریر کرے تو کونین نیست ونابود ہو جائے اور عدم میں مل جائے۔اے بھائی!شاہد کون ہے اور ہم کس کے شاہد (معشوق) ہیں؟

عشق کی تین اقسام ہیں،جیسا کہ قبلاً اس کی شرح بیان کی گئی لیکن عشق اکبر اور عشق اوسط اسی شاہد ومشہود کے بیان میں شامل ہیں،ابتداً شاہد ومشہود میں فرق ہے،لیکن جب عشق نہایت (آخری) کی منزل پر پہنچتا ہے تو یہ فرق باقی نہیں رہ جاتا۔جب عاشق معشوق ایک ہوجاتے ہیں تو شاہد مشہود ہو جاتا ہے اور مشہود شاہد،پھر مشہود وشاہد میں کمال اتحاد ویگانگی پیدا ہو جاتی ہے :

کفر آن باشد کہ شاہد خود باشی ❁ چون کفر چنین است درکس واحد نیست

ترجمہ : جس کی زندگی میں کوئی بت شاہد نہیں ہے۔وہ مذہب کفر کا عابد وزاہد نہیں ہے۔جب کفر ایسا ہے تو واحد دو شخص نہیں یعنی ایک ہے۔

صوفیہ کی اصطلاح میں کفر حقیقی ذات محض (خدا) کو اس طرح ظاہر کرنا ہے کہ سالک ذات حقانی ہر جگہ دیکھے اور سوائے حق تعالیٰ کی ذات کے کسی دوسری چیز کو موجود نہ جانے،بعض صوفیہ لکھتے ہیں کہ کافر وگبر وہ شخص ہے جو وحدت میں یکرنگ ہو کر ماسوی اللہ سے پاک ہوگیا ہے۔اے برادر!مذہب وملت خدا تعالیٰ کے محبوں کا کیا ہے؟ تو یہ حقیقت ذہن نشیں رہے کہ حضرت جل وعلا کے محبان حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعی کے دین ہی پر نہ ہوں بلکہ عشق خدا تعالیٰ کے مذہب و ملت پر ہوں،جب یہ حضرات خدا تعالیٰ کو دیکھیں تو خدا تعالیٰ کی ملاقات ان کا دین ومذہب ہو اور جب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں تو حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ان کا ایمان ہو اور جب ابلیس کو دیکھیں تو کفران کا بن جائے دین وایمان۔ محققوں کا کفرانہیں مشاہدات پر ہے،تقلیدات سے نہیں ہے،بلکہ ان سے گذر گئے ہیں۔انہیں چھوڑ دیا ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

حمد پاک

● وراث ریاضی — کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

بنائی ہے زمیں تونے، بنایا آسماں تونے
کیا ہر شے کو پیدا خالق کون ومکاں تونے

اُگائے ہیں زمیں پر سنبل ونرگس، گل ریحاں
سنوارا گلشن ارضی کو رب دو جہاں تونے

یہ سورج، چاند، تارے تیری قدرت کے مظاہر ہیں
سجایا کہکشاؤں سے فرازِ آسماں تونے

فرشتوں کی زباں پر ہیں ترانے تیری عظمت کے
عبادت کے لئے پیدا کیے ہیں انس و جاں تونے

یقیں کی دولتِ بے انتہا تونے عنایت کی
کیا ہے دور ہر اندیشۂ وہم وگماں تونے

چمن کے ذرے ذرے میں نمایاں ہے تری ہستی
مگر خود کو چھپایا کردگارِ بے نشاں تونے

جہاں کی رہ نمائی کے لئے دورِ جہالت میں
رسولِ پاک ؐ کو بھیجا خدائے کُن فکاں تونے

ہجوم رنج میں وارثؔ نے طیبہ کی زیارت کی
کہ بخشا ناتوانی میں اسے عزمِ جواں تونے

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

نعت شریف

● امان خاں دلؔ —— شوگر لینڈ، ہیوسٹن، امریکہ

ہے اُمت کے لئے ہی جب دعائے شافع محشرؐ ۞ تو کیوں بخشے نہ اُمت کو خدائے شافع محشرؐ
اِسے خوش قسمتی میری نہیں کہیئے تو کیا کہیئے ۞ مجھے کہتی ہے اب دنیا گدائے شافع محشرؐ
خدا کے سامنے محشر میں جب میرا بلاوا ہو ۞ سر محشر بھی ہو لب پر ثنائے شافع محشرؐ
گزارش رب سے وہ کر دیں تو قسمت ہی سنور جائے ۞ کہ وہ سنتا ہے رغبت سے صدائے شافع محشرؐ
بہ روز حشر خوشنودی خدا کی بھی وہی ہوگی ۞ جو بخشش کے لئے ہوگی رضائے شافع محشرؐ
رہائی مل گئی دنیا کو اب قعر مذلت سے ۞ کہ رحمت بن کے دنیا میں جو آئے شافع محشرؐ
نبی جتنے بھی آئے اُن کی عظمت ہے بڑی لیکن ۞ گئے کیا عرش پہ کوئی سوائے شافع محشرؐ
یہ منشا تھا خدا کا اُن کو بھیجا جائے دنیا میں ۞ تو دنیا خَلق فرمائی برائے شافع محشرؐ
یہ اُن کا خُلق تو دیکھو، کہ زخمی ہو کے طائف میں ۞ عدو کے واسطے بھی ہے دعائے شافع محشرؐ

عمل اُن کا کوئی حکم الٰہی سے نہیں ہٹ کر
فقط قرآن ہے اے دلؔ ادائے شافع محشرؐ

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

نعت پاک

● شکیل سہسرامی — پٹنہ (بہار)

اوقات اس کے سامنے کیا بحر و بر کی ہے ❁ یہ نعت پاک حضرت خیر البشر کی ہے
ہر لفظ دے رہا ہے مہک مشک و عود کی ❁ روداد اس میں پیش نبی کے سفر کی ہے
شہر نبی یہ شہر مدینہ ہے دوستو ❁ ہر بات منفرد یہاں شام و سحر کی ہے
الفاظ پوچھتے ہیں یہ نعت رسول کے ❁ کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے
رب نے کہا ہے رحمت عالم حضور کو ❁ تعریف یہ قرآن میں خیر البشر کی ہے
میلاد منعقد ہو رسول کریم کی ❁ خواہش ہمارے ساتھ یہ دیوار و در کی ہے
کہتے ہیں ہم بھی نعت نبی نعت مصطفیٰ ❁ توقیر شہر فن میں ہمارے ہنر کی ہے
جائے وہاں جہاں کو گئے ہیں حضور پاک ❁ اتنی کہاں مجال کسی بال و پر کی ہے
سرکار دو جہاں کی معراج دیکھ کر ❁ جرأت تمام پست خلائی سفر کی ہے

راہ خدا میں ہنس کے لٹا دینا گھر کا گھر
یہ شان تو شکیل محمد کے گھر کی ہے

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

کوائف وحالات

● ادارہ

راز و نیاز بلبل وگل ہم سے پوچھئے ❁ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی.............................کچھ دوسروں کی

گجرات کاانتخاب :

اس جمہوری ملک کے کسی نہ کسی صوبہ میں انتخاب ہوتا ہی رہتا ہے۔آج یہاں تو کل وہاں۔کبھی کبھار پوری مدت سے قبل ہی کسی وجہ سے ضمنی انتخاب کرانا پڑتا ہے گویا یہ ایک سلسلہ ہے جو لگا ہی رہتا ہے اور صوبہ کے ہر انتخاب پر لوگوں کی گہری نظر رہتی ہے، کیونکہ اسمبلی کے منتخب ارکان راجیہ سبھا کے ممبران کا انتخاب کرتا ہے—اور بغیر راجیہ سبھا کی اکثریت ووٹ کے،کوئی قانون پاس نہیں کرسکتا۔اس لئے صوبائی انتخاب پر بھی تمام سیاسی جماعتوں کی گہری نظر رہتی ہے اور ہر قیمت پر وہ انتخاب جیتنا چاہتی ہیں۔

کچھ عرصہ قبل یہی صورت حال یوپی کی تھی جہاں کے انتخاب سے برسر اقتدار اور حزب مخالف دونوں بڑی امید لگائے بیٹھے تھے۔وہاں برسر اقتدار یعنی بی جے پی بازی مارگئی اُسے بڑی فتح ملی۔اب اسی دسمبر کے مہینہ میں گجرات کا انتخاب ہورہا ہے۔نومبر کے مہینہ میں ہماچل پردیش کا انتخاب ہوچکا ہے۔گجرات کا انتخاب کانگریس اور بی جے پی دونوں کے لئے بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔گجرات میں گزشتہ ۲۲؍سالوں سے بی جے پی کی حکومت ہے اور گجرات،وزیر اعظم مودی اور بی جے پی صدر امت شاہ کا وطن ہے۔گویا بی جے پی کے لئے گجرات حقیقی معنوں میں کرو یا مرو کی حالت میں ہے۔کانگریس ہر حال میں گجرات جیت کر اپنی ساکھ بچانا چاہتی ہے جبکہ بی جے پی نے اسے عزت و وقار کا سوال بنا رکھا ہے۔گویا ۱۸۲؍ارکان کا یہ صوبہ پورے ملک کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔حالات بتا رہے ہیں کہ کانگریس کا پلڑا بھاری ہے لیکن جوڑ

توڑ اور ہتھکنڈے استعمال کرنے میں ماہر بی جے پی اس انتخاب کو ہر حال میں جیتنا چاہتی ہے اس لئے یہ انتخاب پورے ملک کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔

۲۲؍دسمبر تک دونوں مرحلے کا انتخاب ختم ہو جائے گا اور ۲۴؍تک نتیجہ آجائے گا۔ اس نتیجہ سے ملک کی سیاست پر بہت زیادہ اثر پڑنے والا نہیں ہے۔ اگر کانگریس کی جیت ہوتی ہے تو وہ دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے لائق ہو جائے گی اور راہل گاندھی کا وقار بہت بڑھ جائے گا جواب کانگریس کے نئے صدر ہیں اور جن کی رہبری میں یہ انتخاب لڑا گیا تھا۔

بہر حال اس انتخابی ماحول نے ملک کی فضا میں کچھ خوشگوار جھونکے ضرور لا دیے ہیں ورنہ ملک کی فضا اتنی مسموم اور زہر آلود ہوگئی ہے کہ اس میں سانس لینا مشکل ہے ــــ ہر طرف نفرت، تشدد، قتل و غارت گری اور عدم رواداری کا بول بالا ہے۔ ہم سب لوگوں کی خواہش اور دعاء ہے کہ ملک میں ایسا ماحول بنے اور ایسی فضا قائم ہو کہ سب لوگ بلاخوف خوش حال زندگی گزار سکیں۔

ششماہی امتحان دارالعلوم مجیبیہ :

دارالعلوم مجیبیہ، خانقاہ پھلواری شریف میں ۳؍ربیع الاول سے ۷؍ربیع الاول تک ششماہی امتحانات ہوں گے۔ جناب مولانا خواجہ عبد الباری صاحب سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے زیر نگرانی درجہائے عربی وفارسی اور جناب حافظ ظل کبریا صدیقی و مولانا حافظ مظہر کبریا صدیقی، پٹنہ کے زیر نگرانی درجات حفظ وقرأت کے امتحانات ہوں گے۔ اس کے بعد دارالعلوم مجیبیہ ۹؍تا ۱۴؍ربیع الاول کے لئے بند کر دیا جائے گا۔

معمولات خانقاہ بماہ ربیع الثانی :

۱۱؍ربیع الثانی عرس حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی قطب ربانی سید محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ ــــ ۱۱؍کی شب میں اور ۱۱؍کے دن میں قل ومجلس سماع کا اہتمام ہوتا ہے اور بعد نماز ظہر زیارت موئے مبارک نبی کریم ﷺ ہوتی ہے ــــ بعد زیارت موئے مبارک حضرت صاحب المقام الاویسیۃ النبویہ مولانا سید شاہ محمد وارث رسولنما قادری بنارسی قدس سرہٗ کا قل و فاتحہ اور مجلس کا اہتمام ہوتا ہے۔

خانقاہ مجیبیہ کے زیر اہتمام آستانہ حضرت وارث رسولنما بنارس میں ۱۳؍ربیع الثانی سے ۱۶؍ربیع الثانی تک عرس کا سلسلہ رہتا ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ جمادی الاولیٰ :

۲۹؍جمادی الاولیٰ، اعراس حضرت محی الملۃ والدین امیر شریعت مولانا الحاج سید شاہ محمد محی الدین قادری پھلواروی

قدس سرہٗ، حضرت امان المستجیرین عارف باللہ مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہ وحضرت رضوان من اللہ رب العالمین عارف باللہ مولانا الحاج سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ، ۲۸؍دن گزار کر شب ۲۹؍وروز ۲۹؍کو قل ومجلس سماع ہوتی ہے۔

۲۹؍ جمادی الاولیٰ اعراس حضرت شمس العارفین امیر شریعت مولانا سید شاہ محمد قمر الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ وحضرت استاذ العلماء امام المتقین مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۲۹؍کو بعد نماز عشاء قل و مجلس سماع ہوتی ہے۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

ضروری اعلان

جن حضرات کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے وہ براہ کرم تجدید خریداری کے لئے زر اشتراک جلد ارسال فرما کر ممنون کریں— ہم یہ تازہ شمارہ ان کے نام ارسال کر رہے ہیں — ہمیں ان کی رقم کا شدت سے انتظار رہے گا۔ بصورت دیگر ہم یہ باور کرنے پر مجبور ہوں گے کہ ان کو ہمارے رسالہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لہٰذا آئندہ رسالہ بند کرنے کے سوا ہمارے لئے کوئی چارہ نہ رہے گا۔

مدت خریداری معلوم کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کے نام و پتہ کے اوپر جہاں مثلاً 2730/08(Upto Dec. 2016) لکھا رہے، اس کا مطلب ہے کہ آپ کا خریداری نمبر 2730/08 ہے اور Upto Dec. 2016 کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۱۶ء میں ختم ہوگئی ہے، آپ کے ذمہ ۲۰۱۷ء کا زر تعاون باقی ہے۔

رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور پورا پتہ لکھنا نہ بھولیں۔ جو حضرات چیک یا ڈرافٹ کی شکل میں رقم بھیجنا چاہیں— تو اس پر صرف "Darul Esha'at" تحریر کریں۔

A/c No. : 1271488319, A/c Name : DARUL ESHA'AT

IFSC Code : CBIN-0282779

Central Bank of India, Branch: Anisabad, Patna-800002 (Bihar)

Tel : (0612) 2250238

— سرکولیشن منیجر

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)
DARUL ULOOM MOJIBIA KHANQUAH
Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA) Mob.: +91-9572860252, 7717792508

دارالعلوم مجیبیہ، پھلواری شریف کے اکابر بزرگوں اور اولیاء اللہ کی یادگار اور ہندوستان کی قدیم درسگاہ ہے۔ اس کی علمی خدمات تین صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دارالعلوم اپنے سن قیام ۱۱۲۵ھ سے لے کر آج تک تواتر و تسلسل کے ساتھ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے اور الحمدللہ کسی دور میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ابتدائی فارسی درجات سے لے کر عربی کے آخری درجات، دورۂ حدیث تک یہاں تعلیم دی جاتی ہے — اور قرآن کریم کے حفظ و قرأت کی تعلیم معیاری طریقے پر ہوتی ہے۔ بچوں کے لئے اردو، ناظرۂ قرآن اور عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ تمام بیرونی طلبہ کے لئے قیام و طعام، کتابیں اور دیگر سہولیات کا اہتمام دارالعلوم مجیبیہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔

اسلئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور دیگر مواقع پر دارالعلوم مجیبیہ کو فراموش نہ کریں۔ مالی امداد پہنچا کر عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔ یہ قدیم درس گاہ آپ کے تعاون کی مستحق ہے۔

چیک یا ڈرافٹ پر صرف "DARUL ULOOM MOJIBIA" لکھیں

ISSN 2320-8600 The **ALMOJIB** Quarterly

Vol.No. :57 | October, November & December 2017 | Sl.No. : 04

The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar

Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)

Ph. No. (0612) 2555572, Telefax : 2555305, Mob. No. +91-9006306098, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com

چھ ورقی المجیب کیلنڈر

₹ 50/- Size : 17x22.5

2018ء کے لئے واضح اور جلی حرفوں میں قمری وانگریزی تاریخوں کے ساتھ خوبصورت و خوش منظر چھ ورقی المجیب کیلنڈر منظر عام پر آگیا ہے، جس میں سرکاری و مذہبی تہواروں کے علاوہ مشہور ومعروف بزرگان دین کے اعراس وتاریخ وصال کی مکمل نشاندہی ہے، خصوصاً خانقاہ مجیبیہ کے سبھی قل واعراس کی تاریخیں سرخ حرفوں میں لکھی گئی ہیں۔

کیلنڈر کا انداز انوکھا، کاغذ عمدہ اور طباعت پرکشش و دیدہ زیب ہے، خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے صرف **-/50** روپے میں جلد طلب فرما کر بھرپور فائدہ اُٹھائیں اور اپنے گھروں کی خوبصورتی میں اضافہ کریں۔

Published by **Mohd. Minhajuddin Mujeebi** on behalf of Darul Esha'at Khanquah Mujeebia,
Editor : Dr. Shah Fatahullah Quadri, Printed at Taj Offset Press, Daryapur, Patna-800004
and Published at Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA)